بسم اللہ الرحمن الرحیم

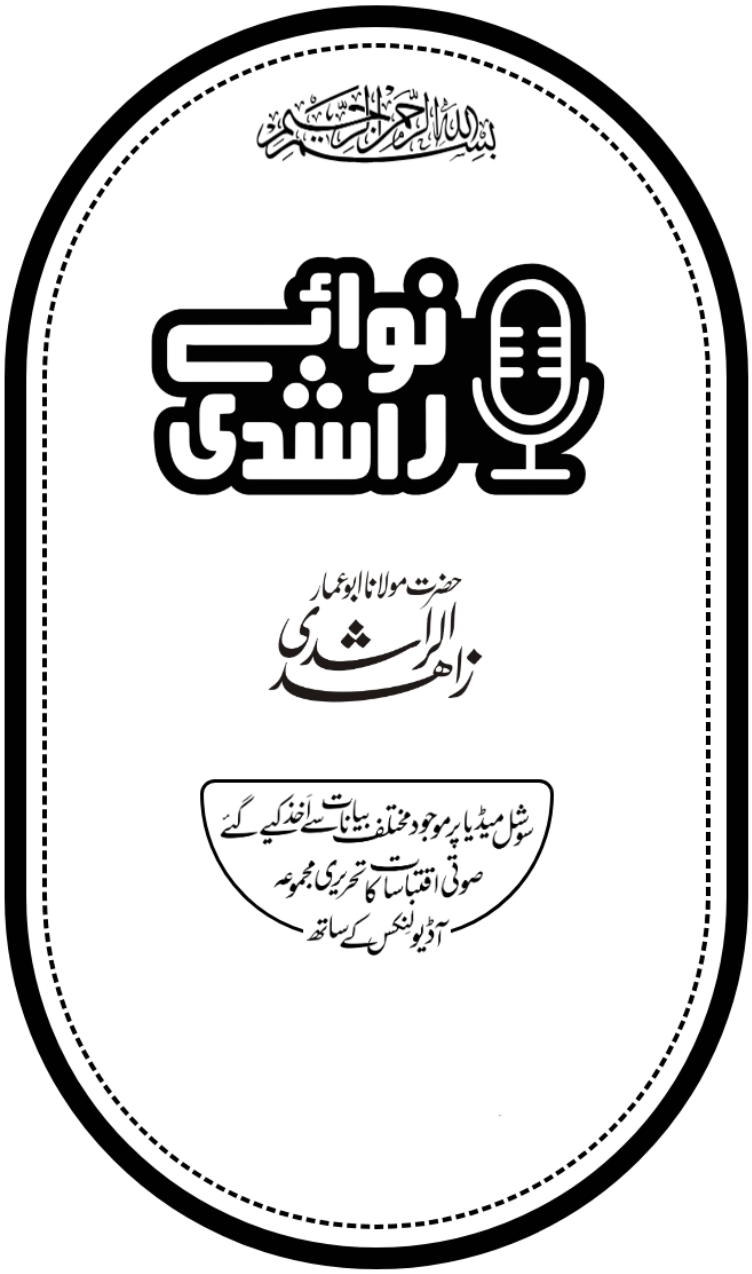

حضرت مولانا ابو عمار
زاہد الراشدی

سوشل میڈیا پر موجود مختلف بیانات سے اخذ کیے گئے
صوتی اقتباسات کا تحریری مجموعہ
آڈیو لنکس کے ساتھ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

عنوان : نوائے راشدی
تالیف : مولانا ابو عمار زاہد الراشدی
مرتب : ناصر الدین خان عامر
مجموعہ : اگست ۲۰۲۴ء
ناشر :
اشاعت :

فہرست

☆ پیش لفظ.....7

☆ حضور علیہ السلام اور اسلام کی دعوت.....9

☆ قرآن کریم پڑھنے اور سننے کا ثواب.....10

☆ قرآن کریم کے پانچ تقاضے.....11

☆ قرآنِ کریم سمجھنے اور سمجھانے کا فرق.....14

☆ قرآنِ کریم کی تاثیر کا فرق.....15

☆ حفاظتِ قرآن کا تکوینی نظام.....16

☆ آسمانی کتابوں کا ایجنڈا.....18

☆ علمِ حدیث کا مختصر تعارف.....20

☆ نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کا راستہ.....21

☆ نبی اکرم ﷺ کی وراثت کا معاملہ.....22

☆ نبی اکرم ﷺ کے رمضان المبارک کے معمولات.....25

☆ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی غمگساری.....28

☆ حضرت زینبؓ کے دو واقعات 30
☆ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ 32
☆ حضرت ابوہریرہؓ، حدیثوں کے سب سے بڑے راوی 33
☆ حضرت انس بن مالکؓ اور خدمتِ رسول ﷺ 35
☆ قرآن کریم کے قاری صحابہؓ 37
☆ جب حضرت عمرؓ نے حق مہر کی حد مقرر کر دی 38
☆ ویلفیئر اسٹیٹ کا آغاز 40
☆ امن اور خوشحالی کا راستہ 43
☆ ایک مسلمان کی تکلیفیں اور غم 47
☆ دعا کیسے قبول ہوتی ہے؟ 48
☆ توبہ کی قبولیت کا وقت 50
☆ نیکی اور گناہ پر اجر کا ضابطہ 51
☆ کسی اور کے جرم کی سزا 52
☆ زندہ درگور کر دینے کی رسم 53
☆ اجتہاد کا جدید تصور 54
☆ مرد اور عورت کی مساوات 57

☆ مسلمانوں کی تین الگ تصویریں.....59
☆ جزیرۃ العرب کیا ہے؟.....61
☆ اسلام کے نعرے لگانے والوں کا حال.....62
☆ عالمِ غیب سمجھنے کیلئے ایک مثال.....62
☆ شریعت میں سورج اور چاند کی گردش کا اعتبار.....63
☆ سفر کی مسنون دعا.....65
☆ حضور ﷺ نے ۹ ہجری کا حج کیوں ادا نہیں کیا؟.....68
☆ جزیرۃ العرب سے بتوں کا خاتمہ.....69
☆ صفا و مروہ کی سعی اور عرفات کا وقوف.....70
☆ ننگے طواف کی رسم کا خاتمہ.....73
☆ حج کے موقع پر مدینہ منورہ حاضری.....74
☆ حج قبول ہونے کی علامت.....75
☆ جدید دور کا اسلوب اور علماء کرام.....76
☆ اسلام کا ریاست کے ساتھ کیا تعلق ہے؟.....79
☆ اسلامی ریاست کی بنیاد کس بات پر ہے؟.....86
☆ تحریکِ ختمِ نبوت کے ساتھ میرا تعلق.....87

☆ مسلمانوں اور قادیانیوں کا اصل جھگڑا.....97
☆ پچیس دسمبر کا دن.....102
☆ ائمہ وخطباء کیلئے سرکاری خطبہ کی پابندی.....104
☆ فکری وتہذیبی تحدیات کے تین اسباب.....109
☆ قومی سیرت کانفرنس اور جناب وزیراعظم کی تقریر.....113
☆ قائداعظمؒ پاکستان کو کیسا ملک بنانا چاہتے تھے؟.....115
☆ تحریکِ پاکستان میں علماء کا کردار.....117

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

مختلف دینی اور قومی مسائل پر اخبارات و جرائد اور مجالس و محافل کے علاوہ سوشل میڈیا پر بھی اظہارِ خیال کا موقع ملتا رہتا ہے جو بحمد اللہ تعالیٰ سنجیدہ احباب اور اصحابِ فکر و دانش سے دعاؤں کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے اور میرے لیے اطمینان کا باعث ہوتا ہے۔ عزیزم ناصر الدین خان عامر نے ایسی بہت سی گزارشات کو محفوظ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے جن میں سے ایک انتخاب زیر نظر مجموعہ میں آڈیو لنک کے ساتھ تحریری صورت میں بھی پیش کیا ہے، جس کی وضاحت عزیز موصوف نے اس طرح کی ہے کہ

> ''مختلف اداروں کی طرف سے سوشل میڈیا کے پلیٹ فارمز پر آپ کے جو بیانات اپ لوڈ کیے جاتے ہیں، یہ ان میں سے حاصل کی گئی تلخیص شدہ آڈیوز کا تحریری مجموعہ ہے۔ کسی بھی اقتباس کی تیاری کے مراحل درج ذیل ہیں:
>
> ۱۔ بیان میں سے مطلوبہ موضوع کا آڈیو حصہ الگ کیا جاتا ہے۔
>
> ۲۔ آڈیو کی ترتیب و تلخیص کی جاتی ہے یعنی موضوع کے متعلقہ حصوں کو یکجا کیا جاتا ہے۔
>
> ۳۔ جملوں کے درمیان موجود خاموش فاصلے کم کیے جاتے ہیں۔
>
> ۴۔ پس منظر کا شور اور غیر متعلقہ آوازیں کم سے کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔
>
> ۵۔ آخر میں تیار شدہ آڈیو کی تحریر لکھی جاتی ہے۔
>
> آج کل چونکہ سوشل میڈیا پر Shorts اور Reels کا رجحان ہے یعنی مختصر اور

متنوع معلوماتی مواد زیادہ پسند کیا جاتا ہے، چنانچہ ایسے شائقین کیلئے اس نوعیت کا کچھ کانٹینٹ پیش کیا جارہا ہے، جو اگر پسند کیا گیا تو اس رخ پر مزید کام ہو سکتا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔"

دعا ہے کہ اللہ رب العزیز عزیز موصوف کو دنیا و آخرت میں جزائے خیر سے نوازیں اور اس خدمت کو ہم سب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنادیں، آمین یارب العالمین۔

ابو عمار زاہد الراشدی
ڈائریکٹر الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ
۲۱ مارچ ۲۰۲۴ء

حضور علیہ السلام اور اسلام کی دعوت

https://zahidrashdi.org/3489

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے حوالے سے، آپؐ کی تو خواہش، کوشش، محنت یہ تھی کہ ہر آدمی تک قرآن پہنچائیں۔ ہر آدمی تک اللہ کی توحید پہنچائیں۔ ہر آدمی کو دعوت دیں۔ اور خواہش ہوتی تھی کہ ہر آدمی مسلمان ہو۔ ظاہر بات ہے کہ ایک آدمی کو نظر آ رہا ہو کہ لوگ تباہی کی طرف جا رہے ہیں، اس کو تباہی بھی نظر آ رہی ہو اور لوگ جاتے بھی نظر آ رہے ہوں، تو ایک سلیم الفطرت انسان کوئی بھی ہو تو اس کی خواہش ہوگی کہ ان کو بچا لوں، جس حد تک مجھ سے بچتے ہیں بچا لوں۔

خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال دی، فرمایا میری مثال یوں ہے کہ جیسے بہت سے اندھے لوگ کھلے میدان میں ہیں اور وہ ایک طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ جس طرف دوڑے جا رہے ہیں ادھر آگے بہت بڑی کھائی ہے، آگ جل رہی ہے، بہت بڑا گڑھا ہے جس میں سے شعلے اٹھ رہے ہیں، اور یہ اندھے اور نابینا لوگ ادھر بھاگے جا رہے ہیں۔ دور سے ایک آدمی جو دیکھنے والا ہے، اس کو نظر آ رہا ہے یہ منظر۔ اس کو آگ بھی نظر آ رہی ہے، یہ کھائی بھی نظر آ رہی ہے اور بھاگنے والے بھی نظر آ رہے ہیں۔ کیا کرے گا وہ؟ واویلا کرے گا، آواز دے گا کہ خدا کے بندو، بچو! دوڑے گا، آئے گا، کسی کو بازو سے پکڑے گا، کسی کا دامن پکڑے گا۔ اس کی ہر ممکن کوشش ہوگی کہ کوئی آدمی اس آگ کی طرف نہ جائے۔ فرمایا، میری مثال یوں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضورؐ سے یہ بات کی کہ جناب ہم نے قرآن کریم اتارا ہے اس لیے تاکہ آپ اس کے ساتھ قوم کو ڈرائیں اور لوگوں تک بات پہنچائیں، اس کے لیے خود تنگی میں نہ پڑیں، پریشان نہ ہوں آپ۔ فرمایا کتاب انزل الیک یہ کتاب آپ پر اتاری گئی ہے فلا یکن فی صدرک حرج منہ اس کتاب کے اتارے جانے سے اپنے سینے میں تنگی محسوس نہ کریں۔ کتاب اتاری

کیوں ہے؟ کافروں کے لیے یہ انذار ہے اور مومنوں کے لیے نصیحت۔

۱. کافروں کو قرآن کریم کے ساتھ آپ اللہ کے عذاب سے ڈرائیں، اللہ کی پکڑ سے۔ لوگوں کو بتائیں کہ جہنم، قبر، اللہ کا عذاب، دنیا میں اللہ کا عذاب، اللہ کی طرف سے ناراضگی، اس کے نتائج کیا ہوں گے۔

۲. اور مومن اس سے نصیحت حاصل کریں، مومن اس سے سبق حاصل کریں، نصیحت حاصل کریں۔

فرمایا، دیکھو! وحی اس لیے آتی ہے تاکہ آپ لوگ اس کی پیروی کریں۔ اللہ تعالیٰ پیغامات کیوں بھیجتا ہے؟ وحی کیوں بھیجتا ہے؟ تاکہ لوگ مان جائیں۔ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم اس چیز کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے ولا تتبعوا من دونه اولیاء اللہ کے ورے جن لوگوں کو تم دوست سمجھتے ہو، تمہارے دوست نہیں ہیں۔ جن کو کسی بھی حوالے سے کسی درجے میں تم نے خدا کا شریک ٹھہرا رکھا ہے، ان کے پاس کچھ نہیں ہے، وہ کچھ نہیں جانتے، پیروی اللہ کے احکام کی کرو۔

قرآن کریم پڑھنے اور سننے کا ثواب

https://zahidrashdi.org/3485

قرآن کریم کی تلاوت کرنا یہ بھی عبادت ہے اور قرآن کریم کو اہتمام کے ساتھ سننا یہ بھی عبادت ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنا یہ بھی سنت ہے، اور سننا یہ بھی سنت ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہتمام کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، اور اہتمام کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت سنتے تھے۔ اور دونوں پر یکساں ثواب بتایا ہے حضورؐ نے۔ فرمایا، جب قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو پڑھنے والے کو بھی ہر حرف پر دس نیکیاں، اور سننے والے کو بھی ہر حرف پر دس نیکیاں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ سُنانیت سے جائے، اور آداب کے ساتھ سنا جائے۔

قرآن کریم سننے کے آداب کیا ہیں؟ فاذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا جب قرآن کریم

پڑھا جائے تو توجہ سے سنو اور چپ رہو۔ کان متوجہ ہوں اور زبان خاموش ہو، یہ قرآن کریم کے آداب ہیں۔ اور قرآن کریم اگر آداب کے ساتھ سنا جائے تو وہ عبادت بھی ہے، سنت بھی ہے، اور ثواب میں قراءت کے بالکل برابر ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا ایک دن۔

فرمایا، عبد اللہ مجھے قرآن کریم سناؤ۔

یا رسول اللہ! میں سناؤں آپ کو؟ آپ پر تو نازل ہوتا ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں، تم مجھے قرآن کریم سناؤ، اس لیے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح قرآن کریم پڑھنے کا ثواب حاصل کرتا ہوں، سننے کا ثواب بھی حاصل کرتا ہوں۔

یہاں محدثین فرماتے ہیں کہ یہ ہماری تعلیم کے لیے تھا، حضورؐ نے بتایا کہ جس طرح پڑھنا سنت ہے، سننا بھی سنت ہے۔ جس طرح پڑھنا عبادت ہے، توجہ کے ساتھ سننا بھی عبادت ہے۔

قرآن کریم کے پانچ تقاضے

https://zahidrashdi.org/3493

میں عام طور پر عرض کیا کرتا ہوں کہ قرآن کریم نے خود جو تقاضے کیے ہیں اپنے بارے میں ہم مسلمانوں سے، وہ بہت سے ہیں، میں تین چار کا ذکر کر دیتا ہوں۔

قرآن کریم نے پہلا تقاضہ یہ کیا ہے فاقرؤا ما تیسر من القرآن قرآن کریم کچھ نہ کچھ آسانی کے ساتھ پڑھتے رہا کرو، یعنی ایک مسلمان کے معمولات میں قرآن کریم کی تلاوت ہونی چاہیے۔ اور دن رات کی جو روٹین ورک ہے، معمولات میں قرآن کریم کی تلاوت کا کوئی نہ کوئی معمول ہونا چاہیے۔

دوسری بات یہ فرمائی قرآن کریم نے ورتل القرآن ترتیلا قرآن کریم کو ترتیل سے، صحیح تلفظ کے

ساتھ، صحیح لہجے میں پڑھا کرو۔ یہ ضروری ہے۔ ہر زبان میں ضروری ہوتا ہے کہ زبان کو صحیح تلفظ کے ساتھ، صحیح لہجے میں بولا جائے۔ کسی بھی زبان کا کوئی لفظ اگر صحیح تلفظ سے نہیں بولا جاتا تو معنیٰ بگڑ جاتا ہے۔

ایک دفعہ میں تقریر کر رہا تھا تو ایک نوجوان کچھ لکھ رہا تھا، میں نے پوچھا بیٹا کیا کر رہے ہو؟ کہتا ہے آپ کی تقریر کے نوٹس (Notice) لے رہا ہوں۔ میں نے کہا بیٹا "نوٹس لینا" تمہارا کام نہیں، یہ تھانے والوں کا کام ہے، نوٹس (Notes) لینے ہیں تو لے لو۔ ایک لفظ کے صرف تلفظ بگڑنے سے معنیٰ کہاں سے کہاں جا پہنچا۔ تو یہ سیکھے بغیر نہیں ہوتا، انگریزی کے الفاظ اسپیلنگز سیکھے بغیر ہم نہیں بول سکتے، اردو میں سیکھنا پڑتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی سیکھنا پڑتا ہے، سیکھے بغیر قرآن کریم صحیح نہیں پڑھا جاتا۔

اور ایک بات اور عرض کرنا چاہوں گا کہ دوسری کسی زبان میں، اردو میں، پنجابی میں، پشتو میں، انگلش میں، فارسی میں کوئی لفظ غلط بولیں تو معنیٰ بدلتا ہے، لیکن قرآن کریم میں صرف معنیٰ نہیں بدلتا، قرآن کریم میں اگر معنیٰ بدل جائے تو بسا اوقات ایمان بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس لیے قرآن کریم کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ ورتل القراٰن ترتیلاً۔

قرآن کریم کا تیسرا تقاضا یہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بل ھو اٰیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم قرآن کریم اللہ کی آیات ہیں، اہلِ علم کے سینوں میں ہوتی ہیں۔ یہاں شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ نے ایک جملہ لکھا ہے کہ قرآن کریم کی اصل جگہ سینہ ہے، کتابت امرِ زائد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل میں تو یاد ہونا چاہیے، کتابت تو ہماری ضرورت ہے کہ یاد نہ ہو تو لکھا ہوا پڑھ لو۔ تو یہ سینے کے اندر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم پورا یاد ہو جو سب سے بہتر ہے۔ نہیں تو کم از کم کچھ نہ کچھ تو یاد ہو۔ اتنا کہ، میں اس کی مقدار عرض کیا کرتا ہوں، اتنا کم از کم ضرور یاد ہونا چاہیے ہر مسلمان مرد اور عورت کو کہ پانچ وقت کی نماز فجر سے عشاء، فرائض، سنتیں اور واجبات وغیرہ پڑھ سکے، اور ان میں جو قراءت کرنی ہے وہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق کر سکے، اتنا تو کم از کم ضرور یاد ہونا چاہیے۔

چوتھی بات قرآن کریم نے یہ فرمائی ہے حتٰی تعلموا ما تقولون جو کہہ رہے ہو تمہیں سمجھ بھی آ رہا ہو۔ یہ قرآن کریم ہی کے بارے میں ہے اور قرآن کریم ہی کا جملہ ہے کہ جو تم زبان سے بول رہے ہو تمہیں سمجھ بھی آ رہا ہو۔ قرآن کریم سمجھ کر پڑھنا یہ قرآن کریم کا تقاضا ہے۔ قرآن کریم سمجھ کر پڑھنا، یہ عام آدمی کی ذمہ داری ہے، اور قرآن کریم کو سمجھا کر پڑھانا یہ علماء کی ذمہ داری ہے۔

قرآن کریم کے ساتھ ایک مسلمان کا فہم کا تعلق اتنا ضرور ہونا چاہیے کہ وہ جو پڑھ رہا ہو اسے سمجھ میں آ رہا ہو۔ ویسے بھی کامن سینس کی بات ہے کہ اللہ کا کلام ہے، اللہ کا پیغام ہے، میرے لیے ہے، اللہ مجھے پیغام دے رہا ہے تو مجھے سمجھنا چاہیے۔ پیغام کو قبول کرنا، عمل کرنا بعد کی بات ہوتی ہے، سب سے پہلا حق ہوتا ہے کہ اس کو سمجھا جائے۔ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ ہماری عجیب حالت ہے، ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ

- قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ہم سے باتیں کرتا ہے، لیکن ہم سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، کوشش نہیں کرتے۔
- نماز میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ سے باتیں کر رہے ہیں، اور وہ بھی ہم سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

اللہ کیا کہتا ہے، مجھے کچھ پتہ نہیں۔ میں اللہ سے کیا باتیں کر رہا ہوں، مجھے کچھ پتہ نہیں۔ تو قرآن کریم کا تقاضا یہ ہے کہ سمجھ کر پڑھو جو بھی پڑھ رہے ہو۔

قرآن کریم کا ایک تقاضا اور ہے جو اللہ رب العزت نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس ہم نے آپ پر کتاب اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان حکم کریں، فیصلے کریں، یہ قرآن کریم حکم کی کتاب ہے، فیصلوں کی کتاب ہے۔ ہم نے کوئی رہنمائی لینی ہے تو قرآن سے لیں گے، اور کسی معاملے میں فیصلے کی کوئی بات الجھ گئی ہے تو قرآن کریم سے پوچھیں گے۔ قرآن کریم حکم، قانون، ضابطہ، فیصلہ کی کتاب ہے، یہ تو ہم نے بالکل ہی نظر انداز کر رکھا ہے۔ ہمارے گھریلو، خاندانی، معاشرتی، تجارتی، سیاسی، قانونی، اجتماعی معاملات میں قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کی جائے، قرآن کریم ہمارے درمیان میں پڑا ہو، اور

ہم اپنے مسائل کو قرآن کریم کھول کر حل کریں، اور قرآن کریم کو جاننے والے ہمارے مسائل کے فیصلے کر رہے ہوں۔ یہ قرآن کریم کا تقاضا ہے، آج کل ہماری اس پر توجہ نہیں ہے۔

یہ دو تین تقاضے قرآن کریم کے میں نے عرض کیے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس میں اپنا اپنا حصہ کچھ نہ کچھ ادا کر سکیں۔

قرآنِ کریم سمجھنے اور سمجھانے کا فرق

https://zahidrashdi.org/3507

- ایک طرف ہماری سستی یہ ہے کہ قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے کی ہم ضرورت ہی سرے سے محسوس نہیں کرتے، اکثریت کی بات کر رہا ہوں، مستثنیٰ لوگ ہر طبقے میں ہیں۔ میں عمومی بات کر رہا ہوں، اکثریت کی بات کر رہا ہوں کہ قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے کی ہم سرے سے ضرورت محسوس نہیں کرتے۔
- اس کی دوسری انتہا یہ ہے کہ مجھ میں اگر قرآن کریم کی پانچ سات دس آیتوں کے ترجمے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے تو میں مجتہد بن کر کھڑا ہو جاتا ہوں کہ اب ہر بات مجھ سے ہی پوچھو بھئی! پھر میں اتھارٹی بن جاتا ہوں۔ میں ہی مفتی ہوں، میں ہی مجتہد ہوں، میں ہی مفسر ہوں، میں ہی سب کچھ ہوں۔

ایک انتہا وہ ہے کہ ایک جملے کا ترجمہ سمجھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا، اور ایک انتہا یہ ہے کہ کچھ تھوڑی بہت سمجھ میں آتی ہے تو میں اتھارٹی بن جاتا ہوں کہ اب ہر بات مجھ سے ہی پوچھو۔

میں ایک بات آپ کے ذہن میں ڈالنا چاہوں گا، دیکھیں! سمجھنے کا لیول اور ہوتا ہے اور سمجھانے کا لیول اور ہوتا ہے۔ میں اس کی ایک چھوٹی سی مثال دوں گا۔ ملک کا کوئی بھی شہری ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ملک کے قانون سے واقف ہو۔ ملک کا کوئی شہری کسی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ مجھے قانون کا پتہ نہیں تھا اس لیے میں نے خلاف ورزی کی ہے، یہ عذر اس کا چلے گا؟ کہیں بھی؟ کسی عدالت میں؟ کہ جناب میں قانون کی پابندی اس لیے نہیں کر سکا کہ

مجھے قانون کا پتہ نہیں تھا۔ دنیا کی کوئی عدالت کسی لیول پر یہ عذر کسی شہری کا نہیں مانے گی۔ تیری ذمہ داری ہے بھئی، تجھے قانون کا پتہ ہونا چاہیے، تم شہری ہو، ایک شہری کی حیثیت سے اپنے ملک کے قانون سے واقف ہونا تیری ذمہ داری ہے۔ اور قانون سے واقف نہ ہونا قانون شکنی کے لیے کوئی عذر نہیں ہے۔

یہ تو ہر شہری کی بات ہے، لیکن کوئی شخص ہائیکورٹ میں جا کر کھڑا ہو جائے کہ جناب میں ملک کا شہری ہوں، قانون سے واقفیت میری ذمہ داری ہے، اس لیے میں آپ کے سامنے قانون پر بحث کرنا چاہتا ہوں، کسی قانون کی تشریح کرنا چاہتا ہوں، قانون پر آرگو کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی ہائیکورٹ اسے کھڑے ہونے دے گی؟ نہیں بھئی! تمہارا کام نہیں ہے۔ اس کے لیے ایل ایل بی کی ڈگری چاہیے، بار کا لائسنس چاہیے، کم از کم ہائیکورٹ کا دس سال کا تجربہ چاہیے، تب قانون پر بات کر سکتے ہو۔

قانون کو سمجھنا ہر شہری کی ذمہ داری ہے لیکن قانون پر آرگو کرنا یہ ہر وکیل کا کام بھی نہیں ہے۔ اس کی شرائط ہیں، اس کی لمٹس ہیں کہ جناب ڈگری ہے، لائسنس ہے، تجربہ ہے، تب قانون پر بات کرو ورنہ نہیں۔ تو میں یہ عرض کرنا چاہ رہا ہوں کہ قرآن کریم کو سمجھنا یہ تو ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے لیکن قانون پر آرگو کرنا، کسی آیت سے استدلال کرنا، کسی آیت سے مسئلہ بیان کرنا، یہ ہر آدمی کا کام نہیں ہے، یہ اس لیول کے عالم کا کام ہے جس نے ڈگری لی ہے، جس کا تجربہ ہے، جو اس پراسیس سے گزرا ہے، اس پراسیس کے بغیر کسی آیت کی تشریح اور اس پر آرگو کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

قرآن کریم کی تاثیر کا فرق

https://zahidrashdi.org/3510

تین چار سال پہلے میں نیویارک میں تھا تو وہاں ایک لوکل پولیس آفیسر مسلمان ہوا، غالباً اس کا نام کیمبل تھا۔ اس کو بروکلین کے لوگوں نے استقبالیہ دیا اور اس سے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میں

نے قرآن کریم کا مطالعہ کیا ہے، زندگی کے جو عملی مسائل ہیں، جتنا فطری انداز میں قرآن کریم ان کو بیان کرتا ہے میں نے کسی اور کتاب میں نہیں دیکھا، اس سے متاثر ہو کر میں مسلمان ہو گیا ہوں۔

سوال: اچھا راشدی صاحب، اب یہاں میرا سوال آپ سے ہے، آپ ہی کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے، ایک غیر مسلم خواہ وہ امریکہ کا ہو یا انگلینڈ کا ہو، قرآن کریم کو پڑھتا ہے تو اثرات پیدا ہوتے ہیں، لیکن وہ کتاب جو کتابِ انقلاب ہے، ایک مسلمان پڑھ رہا ہے تو اس کتاب کا اثر اس پر اس انداز سے کیوں نہیں ہو رہا؟

جواب: میں عرض کرتا ہوں، اس لیے کہ وہ پڑھتے ہیں سمجھنے اور راہنمائی کے لیے، ہم پڑھتے ہیں برکت کے لیے، برکات ملتی ہیں ہمیں۔ ہم تو ثواب کے لیے، برکت کے لیے، شفا کے لیے پڑھتے ہیں، یہ سارے مقاصد ہمیں حاصل ہوتے ہیں۔ ہم راہنمائی کے لیے نہیں پڑھتے۔ ہم رہنمائی کے لیے اور تبدیلی کے لیے جس دن پڑھیں گے، جس دن ہم اس رخ پر آجائیں گے ہمیں بھی یہ فائدہ ملے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حفاظتِ قرآن کا تکوینی نظام

https://zahidrashdi.org/3595

ایک سوال مجھ سے چند سال پہلے ہوا تھا قرآن کریم کی تلاوت کے حوالے سے۔ ایک صاحب نے پوچھا مولوی صاحب! یہ خالی لفظ رٹاتے ہیں اور سنتے ہیں سناتے ہیں، معنی کا پتہ نہیں ہوتا، ترجمے کا پتہ نہیں ہوتا، طوطے کی طرح رٹتے ہیں، طوطے کی طرح سنتے ہیں، طوطے کی طرح سناتے ہیں، تو اس کا کیا فائدہ ہے؟ نہ معنیٰ نہ مفہوم نہ کچھ نہ کچھ۔

میں نے ان سے کہا کہ بات یہ ہے کہ معنیٰ و مفہوم سے انکار نہیں ہے، وہ قرآن کریم نے مستقل بیان کیا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے تلاوت کا محکمہ الگ بیان کیا ہے، تعلیم کا محکمہ الگ بیان کیا ہے یتلوا علیہم اٰیاتہ مستقل کام ہے۔ اور یعلمہم الکتاب مستقل کام ہے۔ اس کے بیسیوں فوائد ہیں، میں نے کہا ایک فائدہ میں تھوڑا سا عرض کر دیتا ہوں۔

دو تین دوست تھے کراچی کے میرے پاس آئے، یونیورسٹی کے طلبہ تھے، انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب! ہم انٹرنیٹ پر بیٹھتے ہیں، کام کرتے ہیں، اور ویب سائٹس چیک کرتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم کے نام سے ویب سائٹس سامنے آتی ہیں، غیر مسلموں نے بہت بنا رکھی ہیں جو قرآن کریم کے الفاظ میں، اس کے جملوں میں، اس کی تراکیب میں گڑبڑ کر رہے ہیں۔ ان نوجوانوں نے بتایا کہ چار ویب سائٹس ہم چیک کر چکے ہیں، دو تین سورتوں کے پرنٹس بھی مجھے دیے انہوں نے، سورۃ الملوک وغیرہ، اس قرآن کریم کی طرز پر لفظ جوڑے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ ویب سائٹس کے ذریعے سے قرآن کریم میں گڑبڑ ہو رہی ہے۔ پریشان تھے بیچارے، مسلمان کو پریشان ہی ہونا چاہیے۔

میں نے ان سے کہا کہ تمہاری پریشانی بجا ہے، ہر مسلمان کو قرآن کریم کے حوالے سے پریشان ہونا چاہیے، یہ ایمان کی علامت ہے، محبت کی علامت ہے، لیکن اس پریشانی کو مسلط کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، قرآن کریم کا کچھ نہیں بگڑتا، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک نوجوان مجھ سے لڑنے لگا کہ جب سے میں نے یہ ویب سائیٹ دیکھی ہے قرآن کریم میں گڑبڑ والی مجھے تین دن سے نیند نہیں آ رہی، میں پریشان ہوں اور آپ اتنا ہلکا پھلکا لے رہے ہیں کہ کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے کہا یار میں بھی ٹھیک کہہ رہا ہوں، تم بھی ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تم تو ایک مسلمان کی حیثیت سے ایک مومن کی حیثیت سے اپنی پریشانی کا اظہار کر رہے ہو، تمہارا حق یہی ہے، اور میں جو کہہ رہا ہوں میری بات سنو۔

یہ ویب سائٹس جنہوں نے بنائی ہیں جو قرآن کریم میں گڑبڑ کر رہے ہیں، سورتوں میں، جملوں میں، آیتوں میں، کتنی گڑبڑ کر لیں گے؟ ایک سو چودہ سورتوں کو ڈبل کر دیں گے؟ کسی سورت کی دس آیتوں کو پندرہ کر دیں گے؟ کچھ آیتیں نکال دیں گے؟ یہی کریں گے نا؟ میں نے کہا کہ اس سارے کام کو واچ کرنے کے لیے ہمیں کیا چاہیے؟ پندرہ سال کا بچہ جس نے قرآن کریم یاد کیا ہے اور چار پانچ مرتبہ سنا لیا ہے، یعنی اس کی منزل یاد ہے، ہماری حافظوں کی اصطلاح میں اس کی منزل پکی ہے یاد ہے۔ یہ مل جاتے ہیں یا نہیں؟ کہاں مل جاتے ہیں؟ بلکہ کہاں نہیں ملتے؟ دنیا کے ہر کونے

میں ہیں۔ میں نے کہا کہ ایک بچہ پندرہ سولہ سال کا منزل جس کی ٹھیک ہے، اس کو سامنے بٹھا دو۔ اس کو ایک دن لگے، دو دن لگیں، تین باتوں کی گارنٹی میں دیتا ہوں کہ وہ چھانٹی کر دے گا۔

۱. وہ بتائے گا کہ یہ سورت قرآن کریم کی ہے اور یہ نہیں ہے۔

۲. یہ آیت اس سورت کی ہے اور یہ نہیں ہے۔

۳. یہ جملہ اس آیت کا ہے اور یہ نہیں ہے۔

ان تین باتوں کی گارنٹی تو میں دیتا ہوں۔ ایک لفظ کا ترجمہ نہیں جانتا، ایک آیت کا مفہوم نہیں جانتا۔ میں ترجمے کی نفی نہیں کر رہا، اس کی اپنی اہمیت ہے۔ میں نے کہا کہ جس کام کو واچ کرنے کے لیے، جس کی چھانٹی کرنے کے لیے، چیک کرنے کے لیے پندرہ سال کا ایک بچہ کافی ہو، اس ورک سے قرآن کریم کی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔

ایک چھوٹی سی بات اور کہ دنیا کے کسی کونے میں قرآن کریم کوئی غلط چھاپ دیتا ہے، کئی لوگوں نے چھاپے بھی، قرآن کریم چھاپ کر گڑبڑ کر دے، امریکہ میں، آسٹریلیا میں، کہیں بھی، کیا ان کو قرآن کریم چیک کروانے کے لیے مدینہ منورہ بھیجنا پڑے گا کہ چیک کر کے بتاؤ صحیح ہے یا نہیں؟ وہیں کوئی نہ کوئی حافظ مل جائے گا وہ کہے گا کہ یہ قرآن کریم صحیح نہیں ہے۔ یہ زبانی پڑھنے کا ثواب و اجر اپنے مقام پر، لیکن یہ قرآن کریم کی حفاظت کا ایک ایسا مستحکم سسٹم ہے، فول پروف سسٹم ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے دنیا کے کسی کونے میں کسی زمانے میں قرآن کریم کے کسی لفظ کو آگے پیچھے کرنے کا سرے سے کوئی امکان موجود نہیں ہے۔ یہ قرآن کریم کا حفاظتی سسٹم ہے۔ اور اس کے پڑھنے کے اپنے فوائد ہیں، ایک فائدے کا میں نے ذکر کیا ہے۔

آسمانی کتابوں کا ایجنڈا

https://zahidrashdi.org/3515

دیکھیں اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ وحی کا ذکر کیا ہے، کتابوں کا۔ ذرا تفصیل سامنے لے آئیں۔ کتابیں کتنی آئی ہیں بڑی؟ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے چاروں کا ذکر کیا ہے۔

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدًی و نور تورات ہم نے اتاری، تورات کا ایجنڈا کیا تھا؟ یحکم بھا النبیون اس کے بعد ہم نے کیا اتاری؟ ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ انجیل جب اتاری تو اس کا ایجنڈا کیا تھا؟ انجیل کا ایجنڈا بھی یہی ہے۔ زبور کس پر اتاری؟ یا داوود انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق زبور کا ایجنڈا بھی کیا ہے؟ آخری کتاب کونسی آئی ہے؟ انزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقًا لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنًا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ۔

تورات کا ایجنڈا بھی فاحکم، انجیل کا ایجنڈا بھی فاحکم، زبور کا ایجنڈا بھی فاحکم، قرآن کا ایجنڈا بھی فاحکم۔ چاروں بڑی کتابیں ہیں۔

- تورات کا ایجنڈا کیا ہے؟ یحکم بھا النبیون۔
- انجیل کا ایجنڈا کیا ہے؟ ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ ۔
- زبور کا ایجنڈا کیا ہے؟ یا داوود انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق۔
- قرآن کریم کا ایجنڈا کیا ہے؟ وانزلنا الیک الکتاب بالحق۔۔۔ فاحکم بینھم بما انزل اللہ۔

یہاں اور وضاحت کر دی، تفصیل سے یہ بات کی ہے۔ آگے وان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھوآئھم ۔ اور اگلی آیت کیا ہے؟ افحکم الجاھلیۃ یبغون؟ ومن احسن من اللہ حکمًا لقوم یوقنون یہ سارا تسلسل ہے تورات، انجیل، زبور، قرآن کریم، سب بیان کر کے اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے ہیں؟ افحکم الجاھلیۃ یبغون؟ ان کتابوں کی حاکمیت نہیں مانتے تو کس کی مانتے ہو، جاہلیت کی؟ گویا آسمانی تعلیمات کی حکومت وحی کی حکومت ہے، اور آسمانی تعلیمات سے ہٹ کر حکومت کیا ہے؟ حکم الجاھلیۃ۔

من احسن من اللہ حکمًا لقوم یوقنون اللہ سے زیادہ حکم کس کا ہے؟ اللہ کے حکم سے ہٹ کر باقی حکم کیا ہیں؟ حکم الجاھلیۃ۔ تو یہ میں نے تھوڑا سا عرض کیا ہے کہ ریاست مدینہ کا نظریاتی

پس منظر کیا ہے۔ اس کے پیچھے تورات کھڑی ہے، انجیل کھڑی ہے، زبور کھڑی ہے، قران کریم تو ہے ہی، موسٰی علیہ السلام کی تحریک آزادی کھڑی ہے، شعیب علیہ السلام کھڑے ہیں، لوط علیہ السلام کھڑے ہیں، یہ ریاست مدینہ کا نظریاتی پس منظر ہے۔

علمِ حدیث کا مختصر تعارف

https://zahidrashdi.org/3517

جناب سرور کائنات، فخر موجودات، شفیع المذنبین، خاتم النبیین، حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وبناتہ واتباعہ اجمعین کے بے شمار معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر پہلو کے معاملات تاریخ کے ریکارڈ میں موجود بھی ہیں اور محفوظ بھی۔ آپ جناب نبی کریمؐ کی حیاتِ مبارکہ کے بچپن سے نہیں ولادت سے نہیں ولادت سے پہلے کے حالات سے لے کر حضورؐ کے وصال تک کسی لمحے کے معاملات معلوم کرنا چاہیں آپ کو تاریخ کے ریکارڈ پر ملیں گے۔ یہ جناب نبی کریمؐ کے معجزات میں ایک بڑا معجزہ ہے، اسلام کی صداقت کی دلیلوں میں ایک بڑی دلیل ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قربانیوں اور محنت میں سے ایک بڑی محنت ہے۔

صحابہ کرامؓ کا کمال یہ ہے، ان کا کارنامہ یہ ہے کہ حضورؐ کی باتیں محفوظ کی ہیں، باتوں کے ساتھ ماحول محفوظ کیا ہے کہ یہ سفر کی بات ہے، یہ حضر کی بات ہے، یہ مکہ کی بات ہے، یہ خیبر کی بات ہے، اور ساتھ باڈی لینگویج بھی محفوظ کی ہے کہ یہ حضورؐ نے ہنستے ہوئے کہی تھی، یہ ڈانٹتے ہوئے کہی تھی، یہ حضورؐ نے ہونٹ ہلاتے ہوئے کہی تھی، یہ کھجوریں کھلاتے ہوئے کہی تھی، پوری کیفیات بھی محفوظ کی ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے ماحول کا فرق بھی محفوظ رکھا ہے۔ یہ بات گھر میں کی تھی، گھر والوں سے پوچھو۔ یہ لڑائی میں کی تھی، لڑائی والوں سے پوچھو۔ یہ مذاکرات میں کی تھی، مذاکرات والوں سے پوچھو۔ یہ دوستوں میں بیٹھ کر گپ شپ میں کی تھی، گپ شپ والوں سے پوچھو۔

اسماء الرجال ایک مستقل فن ہے، کسی قوم کے پاس نہیں ہے۔ حدیث کے علوم میں ایک علم

ہے ”اسماء الرجال“ بندوں کے نام۔ لاکھوں لوگوں کی زندگیوں کے حالات محفوظ ہو گئے اس لیے کہ ان کا نام حضورؐ کی کسی حدیث کی سند میں آتا ہے۔ فلاں جگہ پیدا ہوا تھا، فلاں خاندان ہے، فلاں کام کرتا تھا، اس کی عادتیں یہ تھیں، مزاج یہ تھا، ماحول یہ تھا۔ محدثین نے نہ صرف محفوظ کیا ہے بلکہ اسکین بھی کیا ہے کہ یہ ایسا بندہ تھا، سچ زیادہ بولتا تھا جھوٹ کم بولتا تھا، بولتا تھا یا نہیں بولتا تھا، اس کی عادتیں یہ تھیں، یہ بے پرواہ آدمی تھا یا ذمہ دار آدمی تھا، اس کا پورا بائیوڈیٹا۔ اور ہزاروں نہیں لاکھوں انسان۔ چھٹی صدی کے، چوتھی صدی کے، تیسری صدی کے، پانچویں صدی کے۔

جناب نبی کریمؐ کے ارشادات، حضورؐ کے معمولات، حضورؐ کی کیفیات صحابہ کرامؓ نے جس اہتمام کے ساتھ محفوظ کیے ہیں اور امت کے محدثین نے ان کی درجہ بندی کر کے ان کی اسکریننگ کر کے جو کھرا کھوٹا سب واضح کیا ہے یہ اسلام کی صداقت کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے، حضورؐ کے معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ ہے، اور اس کو علمِ حدیث کہتے ہیں۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہجرت کا راستہ

https://zahidrashdi.org/3500

حضورؐ تو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اور سارا راستہ چھپتے چھپاتے آئے تھے، کبھی غار میں کبھی راستے میں۔ راستہ بھی عام اختیار نہیں کیا تھا۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا جو معروف راستہ تھا وہ بدر والا ہے، اسے طریق البدر کہتے ہیں، آج بھی وہ سڑک ہے، پرانا تاریخی راستہ چلا آرہا تھا۔ براستہ بدر، بدر وسط میں ہے۔ یہ معروف راستہ تھا لوگوں کے آنے جانے کا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ بچنا مقصود تھا، چھپنا مقصود تھا، اس راستے سے سفر نہیں کیا۔ غاروں کے ساتھ ادھر ادھر گھومتے ہوئے تاکہ راستے میں پکڑے نہ جائیں ٹریس نہ ہو جائیں کہیں۔

جس راستے سے ہجرت کی تھی وہ ”طریق الہجرۃ“ کہلاتا ہے، وہ معروف راستہ نہیں تھا۔ اب مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان جو موٹروے ہے وہ طریق الہجرۃ ہے۔ اس وقت جو راستہ ہے یہ ہجرت روڈ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس راستے سے ہجرت کی تھی اس راستے پر

انہوں نے بڑا اچھا روڈ بنایا ہے۔

چھپتے چھپاتے آ رہے تھے اور سب سے بڑا ہدف کیا تھا؟ کسی طریقے سے یثرب پہنچ جائیں۔ مشرکین کی ٹولیاں اور گروپ پیچھے لگے ہوئے تھے کہ کہاں ہیں کہاں نہیں ہیں، حتیٰ کہ آپ احتیاط کا عالم دیکھیں کہ سفر دن کو نہیں کرتے تھے رات کو کرتے تھے۔ معروف راستے پر نہیں کرتے تھے الگ راستہ تھا۔ راستے کا ایک واقعہ ذکر ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو کوئی پہچان والا مل گیا (اس نے پوچھا) ابوبکر! کدھر جا رہے ہو؟ ادھر کام جا رہا ہوں۔ ساتھ کون ہے؟ تعارف نہیں کروایا، (بتایا کہ) بندہ ہے، میری رہنمائی کرتا ہے۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وراثت کا معاملہ

https://zahidrashdi.org/3592

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کسی خاتون نے کسی ٹی وی چینل پر سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کے ایک فیصلے پر جو تبصرہ کیا ہے اور اس پر اعتراض کیا ہے اور اس کی بنیاد پر حضرت صدیق اکبرؓ پر ناانصافی کا الزام لگایا ہے، اس کے بارے میں مختلف حلقوں میں اور سوشل میڈیا پر بحث چل رہی ہے، میں اس کے حوالے سے دو تین باتیں عرض کرنا چاہوں گا۔

پہلی بات تو یہ نفس مسئلہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں غنیمت میں اور فے کے مال میں جو بیت المال کو خمس آتا تھا، اس کا خمس، یعنی پانچویں حصے کا پانچواں حصہ، چار فیصد بنتا کل غنیمت کا یہ۔ یہ خمس الخمس جناب نبی کریمؐ کے ذاتی اور خاندانی اخراجات کے لیے ہوتا تھا، وہ وقف ہوتا تھا حضورؐ کے تصرف میں، حضورؐ اپنی مرضی سے اس میں تصرف فرماتے تھے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ یہ جو خمس الخمس کے طور پر بنونظیر کے مالِ فے میں سے تھا اور خیبر کی غنیمت میں سے تھا یا اور چیزیں تھیں، یہ حضورؐ کی چونکہ ملک تھیں، حضورؐ کی وراثت کے طور پر تقسیم ہونی چاہئیں۔ یہ تقاضا تین طرف سے سامنے آیا۔

۱. ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن نے باہمی مشورہ کر کے طے کیا کہ حضرت عثمانؓ کو نمائندہ بنائیں اور حضرت صدیق اکبرؓ سے تقاضا کریں کہ حضورؐ کے یہ اموال وراثت کے طور پر تقسیم کیے جائیں اور ازواج مطہرات کو ان کا حصہ دیا جائے۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ازواج مطہرات کو سمجھایا کہ جناب نبی کریمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ یہ جو حضورؐ کی ملکیت کی چیزیں تھیں، وفات کے بعد انبیاء کی وراثت تقسیم نہیں ہوا کرتی، وہ صدقہ رہیں گی۔ یہ وقفِ خاص سمجھ لیں آپ، کہ حضورؐ کے لیے اور حضورؐ کے خاندان کے لیے وقفِ خاص تھا۔ تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں نے ان کو سمجھایا کہ وراثت کا مطالبہ درست نہیں ہے اس لیے آپ مطالبہ نہ کریں۔ تو ازواج مطہراتؓ اپنے باہمی مشورہ، حضرت عثمانؓ کو نمائندہ بنانے کے فیصلے، اور سارے مراحل سے گزرنے کے بعد بھی وہ اس سے دستبردار ہو گئیں اور انہوں نے مطالبہ نہیں کیا۔

۲. سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علیؓ نے تقاضا کیا حضرت صدیق اکبرؓ سے کہ حضورؐ کی وراثت میں سے ان کا حصہ دیا جائے۔ تو حضرت صدیق اکبرؓ نے ان سے یہ کہا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ہمارا مال صدقہ ہوتا ہے وہ وراثت کے طور پر تقسیم نہیں ہوتا، اس لیے حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا کہ نبی کریمؐ کے زمانے میں ان اموال میں سے جو ازواج مطہراتؓ اور اہل بیت عظامؓ کو جو خرچہ دیا جاتا تھا وہ دیا جاتا رہے گا، لیکن وہ بطور وراثت کے تقسیم نہیں ہو گا۔ ان دونوں نے پھر خاموشی اختیار فرمالی۔

۳. بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق حضرت عباسؓ کی طرف سے بھی تقاضا سامنے آیا کہ وراثت کے طور پر دیا جائے لیکن حضرت صدیق اکبرؓ نے یہی فرمایا کہ انبیاء کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی (البتہ) حضورؐ کے زمانے میں جو عمل ہوتا تھا وہ ہوتا رہے گا، خرچہ ملتا رہے گا ازواج مطہراتؓ کو جب تک وہ ہیں، اور اہل بیت عظامؓ کو خرچہ ملتا رہے گا، لیکن بطور وراثت کے تقسیم نہیں ہو گا۔

یہ مقدمہ ایک بار پھر حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دونوں کی طرف سے حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں پیش کیا گیا۔ تو حضرت عمرؓ نے بھی یہی فرمایا کہ میں ملکیت کے طور پر تو نہیں دے سکتا لیکن یہ کر سکتا ہوں کہ بطور متولی جو میرے اختیارات ہیں حضورؐ کے ان اموال پر، میں متولی کے اختیارات آپ کو منتقل کر دیتا ہوں، آپ متولی ہوں گے دونوں اور انتظام کریں گے جیسے حضورؐ کے زمانے میں بندوبست ہوتا تھا، جیسے حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں ہوتا تھا، جیسے میرے دور میں ہوتا ہے، تو اس شرط پر میں آپ کو دے دیتا ہوں۔ اس پر ان دونوں نے قبول فرما لیا اور متولی وہ ہو گئے، ملکیت بیت المال کی رہی اور متولی حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دونوں اس کے متولی قرار پائے۔ پھر ان کے درمیان بخاری شریف کی روایت کے مطابق کوئی انتظامات میں اختلاف ہوا تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں دوبارہ گئے کہ وہ تقسیم کر دیا جائے یا اس کی کوئی اور صورت بنائی جائے۔ تو حضرت عمرؓ نے پھر فرمایا کہ دیکھو بھئی! یہ فیصلہ ہو چکا، حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا، میں نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا، آپ لوگوں نے بھی قبول کر لیا تھا کہ بطور متولی آپ رہیں گے، ملکیت میں نہیں دیا جائے گا۔ تو اب آپ کوئی اور فیصلہ چاہتے ہیں تو نہیں، فیصلہ وہی رہے گا، آپ متولی اگر رہنا چاہتے ہیں تو رہیں، نہیں تو آپ تولیت کے اختیارات واپس کر دیں۔ یہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں دوبارہ کیس پیش ہوا لیکن وہی فیصلہ دوبارہ بحال رہا۔

یہ فیصلہ خلفاء راشدین کا، حضرت صدیق اکبرؓ کا اور حضرت عمرؓ کا تھا، جس کو صحابہ کرامؓ نے عمومی طور پر قبول کیا، اور حضرت علیؓ نے بھی قبول فرمایا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت علیؓ کی طرف سے بھی (تقاضا سامنے نہیں آیا) حالانکہ وہ حضرت صدیق اکبرؓ کے بھی مشیر تھے، حضرت عمرؓ کے بھی مشیر تھے، حضرت عثمانؓ کے بھی مشیر تھے، تینوں خلفاء راشدینؓ حضرت علیؓ کے مشورے سے اہم فیصلے کیا کرتے تھے، اور حضرت علیؓ کو خود بھی قاضی کے اختیارات حاصل تھے، انہوں نے اس کے بعد اس مسئلہ کو نہیں اٹھایا اور نہ نظر ثانی کی درخواست ان سے کی۔ حتٰی کہ جب خود حضرت علیؓ امیر المؤمنین بنے ہیں اور تمام اختیارات ان کے ہاتھ میں آ گئے ہیں تب بھی حضرت علیؓ نے اس فیصلہ پر نظر ثانی نہیں کی۔

- بعض لوگ روایت پر بھی اعتراض اٹھاتے ہیں، روایت بھی بالکل درست ہے۔ اس روایت پر بھی سب کا اتفاق ہو گیا، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی پر کہ انبیاء کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی،
- اور اس فیصلے پر بھی جو حضرت صدیق اکبرؓ کا فیصلہ تھا، حضرت عمرؓ کا فیصلہ تھا، اور اپنے دور خلافت میں اس فیصلے کو برقرار رکھنے کی صورت میں خود حضرت علیؓ کا فیصلہ بھی یہی تھا، اس لیے انہوں نے نظر ثانی نہیں کی اور نہ اس پر کوئی دوبارہ بات کی۔ تو یہ متفقہ فیصلہ تھا جس پر امت کا اتفاق چلا آرہا ہے۔

اس لیے اس کو دوبارہ زیر بحث لانا یہ درست بات نہیں ہے۔ ایک بات تو یہ ہے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں جس انداز سے بات کی گئی ہے وہ توہین آمیز ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضرات اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہماری مخدوم، محترم، مقدس شخصیات ہیں ان کے بارے میں توہین آمیز لہجے میں بات کرنا یہ درست نہیں ہے اور قابل گرفت ہے۔ میں یہ گزارش کرنا چاہوں گا کہ اس خاتون نے جس انداز سے بات کی ہے اور جو بات کی ہے، یہ موقع محل کے لحاظ سے بھی ٹھیک نہیں، موقف کے لحاظ سے بھی ٹھیک نہیں، لہجے کے لحاظ سے بھی ٹھیک نہیں، اس پر نوٹس لیا جانا چاہیے۔ ملک میں قانون موجود ہے، ناموس رسالتؐ کے تحفظ کا بھی، ناموس صحابہؓ کے تحفظ کا بھی، اس کا بہر حال نوٹس لیا جانا چاہیے، اور جو حضرات نوٹس لینے کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ درست کر رہے ہیں۔ جو فیصلے متفقہ چلے آرہے ہیں ان کو ری اوپن کرنا اور دوبارہ موضوع بحث بنا کر خوامخواہ تکدر اور اس قسم کی فضا پیدا کرنا یہ درست بات نہیں ہے۔ اللھم صل علیٰ سیدنا محمد۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے رمضان المبارک کے معمولات

https://zahidrashdi.org/3527

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان میں اور غیر رمضان میں

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں تین باتوں کا فرق ہوتا تھا:

(۱) ایک تو روزہ کا۔ عام دنوں میں، باقی سال میں حضورؐ کسی مہینے میں اتنے زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے۔ ایام بیض کے، یا اکا دکا، پیر کا یا جمعرات کا۔ عام طور پر ایام بیض کے، درمیان کے تین روزے رکھتے تھے۔ شعبان کے کثرت سے رکھتے تھے، اور رمضان کے مکمل۔ اور یہ رمضان کے مکمل روزے تو ہر مسلمان پر فرض ہیں۔ ہر مسلمان مرد پر اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہیں۔ اس کا ترک کبیرہ گناہ ہے، اور قضا واجب ہے، بعض صورتوں میں کفارہ بھی ہے، بعض صورتوں میں فدیہ ہے، وہ احکام اپنی جگہ پر ہیں۔ ایک تو کہتی ہیں کہ فرق یہ تھا۔

(۲) دوسرا فرق بتاتی ہیں حضرت عائشہؓ کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن کریم کی تلاوت رمضان میں باقی سال سے دگنی ہو جاتی تھی۔ باقی سارا سال بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ ہوتا تھا کہ قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے کرتے تھے۔ تلاوت کرتے بھی تھے اور سنتے بھی تھے۔ قرآن کریم کا تلاوت کرنا یہ بھی عبادت ہے اور قرآن کریم کا اہتمام کے ساتھ سننا یہ بھی عبادت ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنا یہ بھی سنت ہے اور سننا یہ بھی سنت ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہتمام کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، اور اہتمام کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت سنتے تھے۔ اور دونوں پر یکساں ثواب بتایا ہے۔ فرمایا قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو پڑھنے والے کو بھی ہر حرف پر دس نیکیاں، اور سننے والے کو بھی ہر حرف پر دس نیکیاں۔

میں نے عرض کیا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رمضان میں قرآن کریم کی قراءت کا بڑھ جاتا تھا۔ رات کی قراءت تو چلتی ہی تھی، دن میں بھی جبریل علیہ السلام آتے تھے روزانہ، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے تھے۔ ہمارے ہاں حافظوں میں باری باری جو ایک دوسرے کو سناتے ہیں، ہم اس کو "دور" کہتے ہیں۔ تکرار کہتے ہیں، دور کہتے ہیں۔ یہ سنت ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی، دونوں رمضان میں روزانہ عصر سے مغرب تک دور کیا کرتے تھے، ایک دوسرے کو قرآن کریم سنایا کرتے

تھے۔ اور یہ حضورؐ کا معمول رمضان میں بڑھ جاتا تھا۔

(۳) تیسرا فرماتی ہیں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ رمضان کی خاص عبادات میں روزہ ہے، قرآن کریم کی تلاوت ہے۔ اور تیسرا فرماتی تھیں کہ حضورؐ سارا سال سخی ہوتے تھے، رمضان میں تو سخاوت کی حد ہو جاتی تھی۔ پورا سال حضورؐ کا معمول یہ تھا کہ حضورؐ کے دروازے سے کوئی سوالی خالی نہیں جاتا تھا۔ جناب نبی کریمؐ کا معمول یہ تھا کہ کوئی آدمی آیا ہے سوالی، ضرورتمند ہے، اپنے پاس ہے تو دیا، نہیں ہے تو سفارش کر دی ہے۔ کسی سے کہا کہ بھئی اس کا کام حل کر دو۔ حضورؐ کے کہنے پر کیا تو پہلا ثواب تو حضورؐ کو ہی ملا۔

اگر کوئی نہیں ملا، تو ایک واقعہ اسی سے متعلق ہے کہ ایک شخص آیا، کہا کہ یا رسول اللہ میں آپ کا مہمان ہوں مجھے کھانا کھلائیں۔ ایک گھر سے پتہ کیا، کچھ نہیں ملا، دوسرے سے پتہ کیا کچھ نہیں ملا، تیسرے سے پتہ کیا کچھ نہیں ملا، ۹ گھروں میں کسی سے ایک کھانا نہیں نکلا۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو میرے مہمان کو کھانا کھلا دے؟

مجلس میں، حضرت ابو طلحہ انصاریؓ اٹھے، کہا کہ یا رسول اللہ میں کھلاتا ہوں، میں گھر سے ہو کر آتا ہوں۔ گھر گئے اور بیوی سے پوچھا کہ گھر میں کچھ ہے؟ اس نے کہا کہ ایک آدمی کا کھانا ہے، یا تم کھا لو، یا میں کھا لوں، یا مہمان کو کھلا دو، بچے بھی بھوکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضورؐ کا مہمان ہے اب اس کو تو میں واپس نہیں کر سکتا، اس کو تو کھلانا ہی ہے۔ بچوں کو کسی طریقے سے بہلا پھسلا کر سلا دو، کھانا دستر خوان پر رکھ دو، مجھے بیٹھنا ہے اخلاقاً ساتھ۔ اور کہا کہ کسی بہانے چراغ بجھا دینا، میں منہ ہلاتا رہوں گا، وہ کھاتا رہے گا، اس طریقے سے کھلا دیتے ہیں۔

اور صبح قرآن کریم کی آیت اتری اس صحابی کی شان میں یوثرون علٰی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ خود بھوکے رہ کر مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، فرمایا، انصار مدینہ کی شان یہ ہے۔

تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خود اگر میسر ہوتا تو دیتے، ورنہ سفارش کر دیتے تھے۔ یہ بھی نہیں ہوتا تھا تو دعا دیتے تھے۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ تینوں میں سے بڑا عطیہ کونسا تھا؟ ایک آدمی کو دو روٹیاں مل گئی ہیں کھانے کو۔ اور ایک کو دعا ملی ہے، دعا کس کی؟ زیادہ کس کو ملا ہے؟ جس

کے لیے حضورؐ کے ہاتھ اٹھے ہیں۔

(ام المؤمنین حضرت عائشہؓ) کہتی ہیں کہ کوئی سوالی حضورؐ کے در سے خالی نہیں جاتا تھا، اور رمضان میں تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے سخی ہوتے تھے کالریح المرسلۃ یہاں (ورجینیا، امریکہ) میں پتہ نہیں وہ تصور ہے کہ نہیں، ہمارے ہاں تو جب حبس کے موسم میں ہوا چلتی ہے ٹھنڈی شام کو، کیا عجیب منظر ہوتا ہے، وہ ریح مرسلہ ہے۔ سخت حبس کا موسم ہو، شدید گرمی ہو، اچانک ٹھنڈی ہوا چل جائے، اور کوئی آدمی اس کے فیض سے، اس کے مزے سے محروم نہیں رہتا۔ فرمایا رمضان میں تو کوئی شخص بھی حضورؐ کے فیض سے حضورؐ کی سخاوت سے محروم نہیں رہتا تھا۔

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی غمگساری

https://zahidrashdi.org/3599

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر کا آغاز، جس کو گھر کہتے ہیں، یہ ہوا تھا ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے جب حضورؐ کا نکاح ہوا تو وہاں سے حضورؐ کی گھریلو زندگی کا آغاز ہوا۔ مکہ مکرمہ میں جناب نبی کریمؐ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی حیات میں اور کوئی نکاح نہیں کیا۔ پچیس سال کی عمر میں نبی کریمؐ کا نکاح ہوا تھا، اور پچیس سال ہی ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزارے ہیں۔ گیارہ نبوی میں ان کا انتقال ہوا تھا۔

پہلی بیوی بھی تھیں، بچوں کی ماں بھی تھیں۔ جناب نبی کریمؐ کی ساری کی ساری اولاد، سوائے حضرت ابراہیمؓ کے، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے تھی۔ چاروں بیٹیاں، بیٹے چار، یا تین، یا پانچ، علیٰ اختلاف الروایات۔ حضرت قاسمؓ کے بارے میں تو آتا ہے کہ حضورؐ کے بیٹے تھے، بلوغت کے قریب پہنچے تھے، تیرہ چودہ سال کی عمر، گھوڑے پر سواری کر لیتے تھے، ان کا انتقال ہو گیا، انہی کی نسبت سے جناب نبی کریمؐ کو ابوالقاسم کہا جاتا ہے، حضورؐ کی کنیت ہے ابوالقاسم، حضرت قاسمؓ کی نسبت سے۔ عبد اللہ بھی نام آتا ہے ایک بچے کا، طاہر بھی آتا ہے، طیب بھی آتا ہے، لیکن جوان

کوئی نہیں ہوا۔ جوان بیٹیاں ہوئی ہیں۔ جوان بھی ہوئی ہیں، شادیاں بھی ہوئی ہیں، اولاد بھی ہوئی ہے، نبی کریمؐ نے بیٹیوں کو پالا بھی ہے، بیٹیوں کو عزت بھی دی ہے، بیٹیوں کی اولاد کو بھی پالا ہے، نواسے بھی پالے ہیں۔ پوتا تو حضورؐ کے پاس نہیں تھا لیکن ایک تھا جس کو پوتے کی طرح پالا تھا، اسامہ بن زیدؓ، حضورؐ کے ہاتھوں میں پرورش ہوئی ہے، حضورؐ کے ہاتھوں میں پلے ہیں، اور پوتوں جیسی محبت ہی اسامہ بن زیدؓ کو ملی ہے۔

میں بات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی کر رہا تھا، میاں بیوی کی وہ محبت اور میاں بیوی کا وہ تعلق پوری دنیا کے لیے مثالی ہے آئیڈیل ہے۔ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ مکہ مکرمہ کی بڑی مالدار خاتون تھیں، اور سارے کا سارا مال کس پر خرچ ہوا تھا؟ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ حضور نبی کریمؐ فرمایا کرتے تھے کہ دو آدمیوں کے احسان میں نہیں بھلا سکتا، اپنا سب کچھ مجھ پر نچھاور کر دیا۔ مردوں میں حضرت ابوبکرؓ اور عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ۔

میاں بیوی کا تعلق کیا ہوتا ہے، اس سے اندازہ کیجئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب غار حرا میں وحی آئی ہے، اور وہ واقعہ جو زندگی میں پہلا اور انوکھا واقعہ تھا، حضورؐ پر گھبراہٹ طاری ہوئی ہے، حضورؐ کہتے ہیں مجھے اپنے بارے میں ڈر لگنے لگا، تو اس وقت حضورؐ کو سنبھالنے والی کون تھیں؟ حضرت خدیجہؓ۔ بیوی کا یہی کام ہوتا ہے کہ خاوند کی پریشانی میں اضافہ نہیں کرنا، خاوند کی پریشانی میں اس کے کام آنا ہے۔ آئیڈیل بیوی کا یہی کام ہوتا ہے کہ خاوند پریشان ہے مضطرب ہے، حضورؐ کے الفاظ ہیں انی اخاف علیٰ نفسی مجھے اپنے اوپر ڈر لگنے لگا تھا غارِ حرا کا واقعہ دیکھ کر۔ اس وقت سنبھالا کس نے ہے، حوصلہ کس نے دیا ہے، صبر کس نے دلایا ہے، ساتھ کس نے دیا ہے؟ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ یاد بھی یہی ہیں، یہ مکہ میں فوت ہوگئی تھیں ۱۱ نبوی میں۔ مدینہ جا کر حضورؐ نے اور نکاح بھی کیے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ حضورؐ کی بیویوں میں حضورؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں، ابوبکرؓ کی بیٹی بھی تھیں، ذہین خاتون تھیں، اللہ تعالیٰ نے بہت کمالات سے نوازا تھا، سوکنیں ان کی بہت تھیں، بیک وقت نو بیویاں تھیں حضورؐ کی۔ کہتی ہیں کہ مجھے کسی پر

اتنی غیرت نہیں آتی تھی جتنی اس وقت غیرت آتی تھی جب حضورؐ بار بار خدیجہؓ کا ذکر کرتے تھے، خدیجہؓ ایسے تھی، خدیجہؓ نے یہ کیا، خدیجہؓ نے وہ کیا۔ بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! وہ بڑھیا آپ کو بھولتی نہیں؟ ہر بات پر خدیجہؓ ایسے تھی، خدیجہؓ ایسے تھی، آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت اچھی بیویاں دے دی ہیں۔ اور اچھی تھیں، اس میں کوئی شک نہیں۔ آپؐ جب کوئی ایسی بات ہوتی ہے، خدیجہؓ کی کوئی سہیلی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ اسے کھلاؤ پلاؤ، خدیجہؓ خدیجہؓ کرتے رہتے ہیں آپؐ، تو وہ آپ کو بھولتی نہیں ہے؟ تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جملے میں یہ بات کہہ دی، اللہ اکبر، عائشہ! وہ میرے دکھ کے وقت کی ساتھی تھی۔ دکھ کے وقت کا ساتھی کبھی بھولتا ہے؟ وہ تکلیفوں کا دور، وہ آزمائشوں کا دور، وہ طعن وتشنیع کا دور، اذیتوں کا دور، کیسے بھول سکتی ہے۔ تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا آغاز ہوا تھا ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے۔

حضرت زینبؓ کے دو واقعات

https://zahidrashdi.org/3590

بڑا دلچسپ واقعہ ہے، امام بخاریؒ بیان فرماتے ہیں۔ بدر میں حضرت زینبؓ حضورؐ کے گھر میں ہیں اور خاوند کافر قیدیوں میں ہیں، نکاح باقی ہے، نکاح قائم ہے، فدیہ کا فیصلہ ہوا، ابوالعاص بن ربیع کے پاس کچھ دینے دینے کو تھا نہیں کہ میں فدیہ میں کیا دوں گا۔ اہلیہ محترمہ گھر میں ہیں، مدینہ منورہ میں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، ان کو پتہ چلا کہ میرا خاوند قیدی ہے، فدیے کا فیصلہ ہوا ہے، فدیے کے پیسے نہیں ہیں، تو اپنا ہار گلے سے اتارا، کسی ذریعے سے بھجوایا کہ ابوالعاص کو دے دو تاکہ اپنا فدیہ ادا کر دے۔ مسلمان بہت بعد میں ہوئے ہیں۔ اپنا ہار دیا کہ جا کر ابوالعاص کو دے دو کہ وہ اپنا فدیہ ادا کر کے رہا ہو جائے گا۔ ابوالعاص نے دیکھ لیا کہ میری بیوی کا ہار ہے، بیوی نے بھیجا ہے۔ تو وہ حضورؐ کی خدمت میں جب پیش کیا، اوہو! حضورؐ کی تو آنکھیں بھر آئیں۔ یہ ہار اصل میں حضرت خدیجہؓ کا تھا۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہار تھا جو انہوں نے شادی کے

موقع پر بیٹی کو ہدیہ کیا تھا۔ تو حضورؐ کو وہ پرانا دور سارا یاد آگیا کہ یہ تو خدیجہؓ کا ہار ہے، بیٹی کے پاس ہے، اب بیٹی نے خاوند کو بھیجا ہے آزاد ہونے کے لیے۔ تو حضورؐ نے سفارش کی۔ عام طور پر حضورؐ سفارشیں اس قسم کی نہیں کیا کرتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ دیکھو بھئی! یہ خدیجہؓ کا ہار ہے، بیٹی کے پاس ماں کی نشانی ہے، اگر تم اجازت دو تو یہ زینبؓ کو واپس کر دوں؟ یا رسول اللہ! حاضر ہے پیش کر دیں۔

جاہلیت کے زمانے میں کافر اور مسلم کا نکاح ہوتا تھا۔ بلکہ ایک اور واقعہ بھی بخاری شریف میں ہی ہے۔ حضورؐ ابوالعاص کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے کہ یہ بڑا جری جوان ہے، شریف جوان ہے، بڑی تعریف کرتے تھے کہ بڑا وفادار نوجوان ہے، حالانکہ کافر تھا، اس نے بھی پھر وفاداری نبھائی۔ خیر، ایک دفعہ ابوالعاص قیدی بن کر آ گئے۔ کسی معرکے میں قیدی ہو گئے کہ کافر تھے لڑتے تھے۔ قیدی بن کر مدینہ منورہ آ گئے۔ نبی کریمؐ کا ضابطہ یہ تھا کہ فیصلہ ہونے تک قیدی کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا جاتا تھا۔ ستون سے باندھ دیا کہ صبح فیصلہ کریں گے۔ بیوی کو پتہ چل گیا کہ میرا خاوند پکڑا ہوا آیا ہے اور ستون سے بندھا ہوا ہے، صبح اس کے مقدر کا فیصلہ ہونا ہے۔ فیصلہ قتل بھی ہو سکتا تھا، فیصلہ رہائی بھی ہو سکتی تھی، فیصلہ جرمانہ بھی ہو سکتا تھا، فیصلہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ صبح نماز کے بعد زینب رضی اللہ عنہا گھر سے آئیں، دروازے کے اوٹ میں کھڑی ہوئیں، یا رسول اللہ! اس قیدی کو میں نے پناہ دے دی ہے۔ قیدی کون ہے، خاوند ہے۔ اس قیدی کو میں نے پناہ دے دی ہے۔ حضورؐ نے سنا، دیکھا، مسکرائے اور فرمایا "قد اجرنا من اجرت" جس کو تو نے پناہ دے دی ہے، ہم نے بھی دے دی ہے۔ قانون ضابطہ یہ تھا کہ کسی قیدی کو، کسی کافر کو، کسی دشمن کو، عام آدمی بھی اگر پناہ دے دے تو ہو جاتی تھی۔ تو ان کو پتہ تھا مسئلے کا کہ میں اگر پناہ دوں گی تو بچ جائے گا ورنہ پتہ نہیں کیا فیصلہ ہو گا اس کے بارے میں۔

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ

https://zahidrashdi.org/3603

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ بخاری شریف کی روایت ہے، ایک دن حضورؐ بیٹی سے ملنے گئے، علیؓ گھر میں نہیں تھے۔ پوچھا تمہارا خاوند کدھر ہے؟ یا رسول اللہ! کوئی جھگڑا ہو گیا تھا تو ناراض ہو کر چلے گئے ہیں۔ بس آپس میں کوئی معاملہ میاں بیوی کا ہو گیا، ہو جاتا ہے، فطری بات ہے۔ یا رسول اللہ! کوئی جھگڑا ہو گیا تھا ہمارا، تو وہ ناراض ہو کر چلے گئے ہیں، شاید مسجد میں سوئے ہوئے ہوں گے۔ حضورؐ گئے مسجد میں، حضرت علیؓ مسجد میں سوئے ہوئے تھے۔ ننگی زمین پر سوئے ہوئے ہیں اور بدن پر مٹی لگی ہوئی ہے۔ حضورؐ بڑی محبت سے بیٹھے، ہاتھ سے جھاڑ رہے ہیں قم یا ابیٰ تراب، قم یا ابٰی تراب او مٹی والے اٹھ! او مٹی والے اٹھ۔ جا کر داماد کو راضی کر کے واپس لائے کہ یہاں کیوں پڑے ہو چلو گھر۔ ابو تراب کا ویسے مطلب ہے خاک آلود، خاکسار، لیکن حضرت علیؓ کہتے ہیں مجھے سب سے زیادہ یہ کنیت پسند آتی ہے جب مجھے کوئی ابو تراب کہتا ہے تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے کہ یہ مجھے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا۔

حضورؐ کو ایک دن کسی نے خبر دی آ کر حضرت علیؓ کے بارے میں۔ ابوجہل کی بیٹی مسلمان ہو گئی تھی اور مدینہ منورہ ہجرت کر کے آ گئی تھی، مسلمان نوجوان لڑکی تھی۔ خبر مشہور ہوئی کہ حضرت علیؓ اس سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ تک پہنچی بات تو پریشان ہوئیں۔ فطری بات ہے، عورت پریشان ہوتی ہے، اور پھر ابوجہل کی بیٹی۔ ان دونوں نے وہ دور اکٹھے دیکھا تھا، بارہ تیرہ سال کا اذیت کا دور۔ وہ جو اوجھڑی حضورؐ پر ڈالی گئی تھی، حضرت فاطمہؓ نے آ کر ہٹائی تھی۔ تو خیال ہوا کہ میرا گزارا نہیں ہو گا ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ، پچھلی باتیں یاد آئیں گی خواہ مخواہ آپس میں۔ تو جا کر حضورؐ سے کہا، یہ پتہ چلا ہے کہ آپ کا عمزاد، ابوجہل کی بیٹی آئی ہے، اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تو آپ کوئی بیٹیوں کا خیال بھی کیا کرتے ہیں کہ نہیں؟ بیٹی باپ سے کہہ رہی ہے۔ تو حضورؐ نے جا کر

فرمایا کہ نہیں بھئی! نبی کی بیٹی اور ابوجہل کی بیٹی ایک گھر میں نہیں آئیں گی۔

بخاری شریف کی روایت ہے، حضورؐ بیمار ہیں، بیٹی پتہ لینے آئی ہے۔ اس وقت تک باقی تینوں فوت ہو چکی تھیں، حضورؐ کی وفات کے وقت ایک ہی بیٹی زندہ تھی، وہ بھی چھ مہینے رہیں بعد میں، حضرت فاطمہؓ۔ بیٹی ابا جی کا حال پوچھنے آئی ہے۔ حضورؐ اٹھ کر بیٹھ گئے، سر پر ہاتھ پھیرا، بٹھایا پاس، جیسے باپ بیٹیوں کو بٹھاتے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضورؐ نے فاطمہؓ کے کان میں کوئی بات کہی تو فاطمہؓ رونے لگ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر حضورؐ نے قریب کر کے کان میں بات کہی تو خوش ہو گئیں۔ جب وہاں سے فارغ ہوئیں تو میں نے الگ بلا کر پوچھا بیٹا حضورؐ کیا کہہ رہے تھے؟ انہوں نے کہا اماں جی! ابا جی نے کان میں کہا تھا۔ جو بات کان میں کی جائے وہ کیا ہوتی ہے؟ راز ہوتی ہے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد کافی دن گزر گئے تو حضرت عائشہؓ نے پھر بلایا۔ میں تمہیں ماں ہونے کا واسطہ دیتی ہوں، بتاؤ حضورؐ نے کیا کہا تھا؟ کہا، ہاں اب بتاتی ہوں آپ کو۔ حضورؐ نے مجھے کان میں کہا تھا کہ فاطمہؓ میں شاید ایک آدھ دن اسی بیماری میں جا رہا ہوں۔ بیٹی کو باپ کی وفات کی اطلاع ملے تو بیٹی کیا کرے گی؟ تھوڑی دیر کے بعد حضورؐ نے دیکھا کہ پریشان ہو رہی ہے زیادہ، تو کان میں کہا کہ بیٹی! میرے بعد سب سے پہلے تم میرے پاس آؤ گی۔ تو خوش ہو گئیں۔ حضورؐ نے اپنی وفات کی خبر دی ہے تو بیٹی رونے لگ گئی ہے، اور بیٹی کو اس کی وفات کی خبر دی ہے تو وہ خوش ہو گئی ہے۔ یہ باپ بیٹی کا معاملہ تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ، حدیثوں کے سب سے بڑے راوی

https://zahidrashdi.org/3597

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا الگ ذوق تھا۔ حدیثوں کے سب سے بڑے راوی کون ہیں؟ حضرت ابوہریرہؓ۔ ہزاروں حدیثیں، جہاں بھی کوئی بات نکالو حضرت ابوہریرہؓ سے کوئی نہ کوئی روایت نکل آتی ہے۔ ان کا ذوق یہ تھا کہ حدیث یاد کرنا، حدیثیں سننا، حدیثیں سنانا۔ آخر عمر میں ان پر اعتراضات بھی ہونے لگے۔ برابر کے لوگ تو جانتے ہیں لیکن بعد والوں کو سمجھ نہیں آتی

کہ بابا کیا کر رہا ہے، یہ اکثر ہوتا ہے۔ برابر کے لوگوں کو پتہ تھا ان کے ذوق کا، محنت کا، بعد والے کہنے لگے کہ یہ بابا کیا کرتا ہے ہر بات پر حدیث سنا دیتا ہے۔ اور یہ بھی اشکال کی بات ہوئی کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو زمانے تو سارا چار سال کا ملا ہے اور حدیث ہر بات پر سناتے ہیں۔ خیبر کے بعد آئے ہیں یہ۔ یہ جب یمن سے آئے تو خیبر کی غنیمت تقسیم ہو رہی تھی۔ ساڑھے تین سال، پونے چار سال، اس سے زیادہ نہیں ملا۔

زمانہ حضورؐ کے ساتھ کتنا ملا ہے؟ زیادہ سے زیادہ چار سال ہی گن لیں۔ اور حدیثیں سب سے زیادہ بیان کرتے ہیں۔ کوئی مسئلہ ہو، میں نے حضورؐ سے یہ سنا، حضورؐ نے یوں فرمایا، میں نے حضورؐ کو دیکھا۔ نوجوانوں کو اشکالات ہوئے کہ بابا جی، اللہ خیر کرے، کیا کرتے ہیں۔ مروان بن حکمؒ امیر مدینہ تھے، ان کے دوست تھے، کبھی باہر جاتے تو ان کو اپنا قائم مقام بنا جاتے تھے اور یہ جمعہ بھی پڑھایا کرتے تھے، مسجد نبویؐ میں بہت جمعے پڑھائے ہیں انہوں نے آخری زمانے میں۔ ایک دن باباجی کو جمعے کے خطبے میں خیال آگیا، اور غصے میں آگئے، ہلکا پھلکا غصہ تھا۔ "لقد اکثرتم" تم نے بہت زیادہ باتیں شروع کر دی ہیں۔ آج میں تمہیں بتاتا ہوں کہ حدیثیں زیادہ کیوں بیان کرتا ہوں۔ باباجی کو آگیا غصہ کہ یہ روز کھسر پھسر کھسر پھسر ہوتی رہتی ہے کہ اتنی حدیثیں کہاں سے لاتے ہیں کیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں آج میں تم سے بیان کرتا ہوں کہ میں سب سے تھوڑا زمانہ پا کر زیادہ حدیثیں کیوں بیان کرتا ہوں۔

بخاری میں روایت ہے یہ ساری۔ چونکہ غصے میں بات کر رہے ہیں اعتراض کے جواب میں تو لہجہ وہی ہے۔ او تمہارے مامے، تمہارے چاچے، تمہارے تائے جو تھے نا۔ اس لہجے میں۔ تمہارے مامے، تمہارے چاچے، تمہارے تائے، کوئی ایک نماز میں آتا تھا، کوئی دو نمازوں میں آتا تھا، کوئی تیسرے دن آتا تھا، کوئی چوتھے دن آتا تھا، کوئی جمعے میں آتا تھا۔ میں نے جب سے حضورؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے اس وقت سے لے کر حضورؐ کے وصال تک حضورؐ سے حدیثیں سننے کے سوا میں نے کوئی کام کیا ہی نہیں۔ میں حاضر باش شاگرد تھا چوبیس گھنٹے کا۔ گھر کے دروازے پر چھوڑ کر آتا تھا، اور مجھے پتہ ہوتا تھا کہ کب آنا ہے تو گھر کے دروازے سے وصول کرتا تھا کہ کہیں

راستے میں کوئی بات فرمادیں اور میں نہ سنوں، ایسا نہ ہو جائے۔ مجھے ملے ساڑھے تین سال ہی ہیں لیکن ایک لمحہ بھی میں نے ضائع نہیں کیا، میں حاضر باش شاگرد تھا، اور حضورؐ کے ساتھ چمٹا رہتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ وقت ضائع نہ ہو، میں نے مسلسل شب و روز یہی کام کیا ہے کہ حضورؐ کی باتیں سنوں اور یاد کروں۔

حضرت انس بن مالکؓ اور خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

https://zahidrashdi.org/3600

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ کے ساتھ دس سال بطور خادم کے گزارے ہیں۔ کہتے ہیں اپنی ماں کی بات کرتے ہوئے انس بن مالکؓ کہ میری ماں بڑی سیانی تھی۔ ماں کا سمجھدار ہونا، اولاد بن جاتی ہے سنور جاتی ہے۔ کہتے ہیں میری ماں بہت سمجھدار تھی، دو واقعے بیان کرتے ہیں۔

کہتے ہیں جب حضورؐ ہجرت کر کے تشریف لائے تو میرے والد صاحب چلے گئے تھے ناراض ہو کر، تو میری والدہ تھیں اور میں تھا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا حضورؐ کی خدمت میں آئیں، یا رسول اللہ! انصارِ مدینہ کے ہر گھر نے آپؐ کی کچھ نہ کچھ خدمت کی ہے۔ میں ایک بے سہارا عورت ہوں، خاوند میرا چلا گیا ہے، پتہ نہیں کہاں گیا ہے، ایک بیٹا میرے پاس ہے، انس، میں یہی آپ کے لیے وقف کرتی ہوں، آج کے بعد میرا نہیں آپؐ کا ہے، یہ آپ کی خدمت کرے گا، آپؐ کا خادم ہو گا۔ کہتے ہیں کہ مجھے حضورؐ کے حوالے کر گئیں۔ دس سال کی عمر میں حضورؐ کی خدمت میں آیا، دس سال میں نے حضورؐ کے ذاتی خادم کے طور پر خدمت کی، اور اکیس سال میری عمر تھی جب حضورؐ کا وصال ہوا۔ ایک بات تو یہ کہتے ہیں کہ میری ماں کتنی سیانی عورت تھی کہ میرے بارے میں کیا فیصلہ کیا اس نے کہ میرا ہاتھ حضورؐ کے ہاتھ میں دے کر چلی گئی۔

ایک واقعہ اور بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریمؐ مدینہ منورہ میں عام طور پر لوگوں کے گھروں میں نہیں جایا کرتے تھے، یہ حضورؐ کا معمول نہیں تھا، اپنا گھر، مسجد، ضرورت کی جگہ،

لیکن ہمارے گھر میں آیا کرتے تھے۔ کبھی ہوتا ہے کہ تھوڑا الگ ہو کر آرام کرنا ہے، ہجوم زیادہ ہے، مصروفیت زیادہ ہے، کبھی کبھی ہمارے گھر میں آیا کرتے تھے۔ ام سلیمؓ اور ام حرامؓ دونوں بہنیں تھیں، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ رضاعی طور پر دودھ کے رشتے میں حضورؐ کی خالہ بھی لگتی تھیں۔ خیر، بہرحال۔ حضورؐ تشریف لایا کرتے تھے تو ہم، جو خدمت ہوتی، کرتے۔ ایک دن کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ تشریف لائے، چاشت کا وقت تھا، میری والدہ محترمہ نے درخت کے نیچے چارپائی بچھا کر دی کہ آرام فرمالیں، آرام فرما کر اٹھے تو میری والدہ نے کچھ کھجوریں، پانی، دودھ وغیرہ پیش کیا خدمت کے لیے۔ اٹھے، وضو کیا اور دو رکعت پڑھی چاشت کی۔ جب نماز پڑھ کر دعا مانگ رہے تھے، یہاں انسؓ کہتے ہیں میری ماں کتنی سیانی تھی، میرا ہاتھ پکڑا، جا کر سامنے کھڑا کر دیا "خویدمک یا رسول اللہ" یا رسول اللہ! آپ کا بچہ ہے نوکر ہے اس کے لیے دعا فرمادیں۔ حضورؐ بھی موج میں تھے۔ انسؓ کہتے ہیں حضورؐ نے مجھ سے پوچھا، انس! کیا دعا مانگوں تمہارے لیے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! لمبی عمر چاہیے، بہت پیسے چاہئیں، بہت اولاد چاہیے۔

خود سو سال سے زیادہ عمر پائی ہے، آخر عمر تک بالکل سیدھے تھے۔ فرماتے ہیں، اپنی اولاد کے بارے میں کہ اپنی زندگی میں بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں، جو اپنے ہاتھ سے دفن کر چکا ہوں وہ ۹۰ کے لگ بھگ ہیں، اور ۲۰۰ موجود تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں کہ تقریباً ۲۰۰ موجود تھے، اللہ نے اتنی رونق لگائی۔

کوئی دوست مسئلہ پوچھتا ہے کہ ختمِ قرآن کریم پر جلسہ کرنا کیسا ہے تو میں کہا کرتا ہوں کہ انس بن مالکؓ کے بارے میں آتا ہے کہ اپنے ہر ختم قرآن پر خاندان والوں کی دعوت کرتے تھے، اور انس بن مالکؓ کے خاندان کی دعوت ہمارے کسی بھی درمیانے جلسے سے بڑی ہوتی تھی۔

عمر تو سو سال سے زیادہ پائی ہے۔ کہتے ہیں کہ اپنے مال کے بارے میں اندازے سے بھی نہیں بتا سکتا کہ میرے پاس کتنا مال ہے۔ حضورؐ کی دعا کی برکت تھی۔

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ دس سال میں نے حضورؐ کے ساتھ ذاتی خادم کے طور پر گزارے ہیں، کبھی کسی بچے پر، کبھی کسی عورت پر حضورؐ نے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ کہتے ہیں کہ ایک

دفعہ حضورؐ نے مجھے کسی کام بھیجا، میں باہر گیا بچے کھیل رہے تھے، کھیلنا شروع کر دیا اور بھول ہی گیا کہ مجھے کسی کام بھیجا ہے، بچہ تھا میں، دس بارہ سال کا لڑکا، میرے ہم جولی گلی میں کھیل رہے تھے میں بھی کھیل میں لگ گیا، کافی دیر گزر گئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے تو انس کھیل رہا ہے۔ اوہو! مجھے یاد آیا کہ مجھے کام بھیجا تھا میں یہاں کھیل رہا ہوں۔ حضورؐ تشریف لائے، یوں میرے سر پر ہاتھ رکھا، یوں کان پکڑ کر تھوڑا سا، انس! تجھے کسی کام بھیجا تھا؟ یا رسول اللہ! جاتا ہوں، ابھی جاتا ہوں، میں بھاگا وہاں سے۔ کہتے ہیں بس یہ۔ انسؓ کہتے ہیں کہ کبھی کسی بچے پر، کبھی کسی عورت پر حضورؐ نے ہاتھ نہیں اٹھایا۔

قرآن کریم کے قاری صحابہؓ

https://zahidrashdi.org/3491

صحابہؓ میں سے جو بڑے قاری ہیں، ان میں سے دو قاریوں کا ذکر کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود چار پانچ حضرات کو بڑا قاری کہا ہے۔ ابی بن کعبؓ کے بارے میں کہا کہ یہ سب سے بڑا قاری ہے۔ معاذ بن جبلؓ کے بارے میں فرمایا، ابو موسیٰ اشعریؓ کے بارے میں فرمایا، سالم مولی ابی حذیفہؓ کے بارے میں فرمایا، عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں فرمایا، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ وہ چار پانچ بزرگ ہیں جن کو حضورؐ نے قاری کہا ہے کہ یہ میری امت کے بڑے قاری ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بہت اچھا لہجہ، بہت اچھی سُر، بہت اچھی آواز تھی، خوبصورت انداز میں قرآن کریم پڑھتے تھے۔ ان سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا، ابو موسیٰ تیرے گلے میں تو داؤد علیہ السلام کے خاندان کا گلہ فٹ ہو گیا ہے۔ بہت اچھے لہجے میں قرآن کریم پڑھتے تھے۔

ایک واقعہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے کہا، ابو موسیٰ! رات میں اور عائشہؓ ہم دونوں میاں بیوی تمہارے محلے میں کسی کام سے گئے تھے، واپس آتے ہوئے آدھی رات کا وقت تھا، تمہارے گھر کے سامنے سے گزرے، تم گھر میں قرآن کریم کی تلاوت کر

رہے تھے، باہر آواز آ رہی تھی، ہم دونوں وہیں کھڑے ہو گئے۔ کیا عجیب منظر ہو گا، کیا عجیب تلاوت ہو گی جس نے قدم روک لیے۔ کس کے؟ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ فرمایا، تم قرآن کریم پڑھ رہے تھے گھر میں، گلی میں آواز آ رہی تھی، ہم دونوں میاں بیوی وہیں رک گئے اور کافی دیر گلی میں کھڑے کھڑے تمہارا قرآن سنتے رہے۔

ابو موسیٰؓ حسرت سے کہتے ہیں یا رسول اللہ! مجھے پتہ نہیں چلا، پتہ چل جاتا تو اور زیادہ لَے میں پڑھتا۔ اور زیادہ مزے سے پڑھتا اگر پتہ چل جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں، ام المومنینؓ سن رہی ہیں، تو اور زیادہ مزے سے پڑھتا۔

ایک دفعہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، بڑے قاری تھے، اور یہ وہ قاری ہیں جن کے بارے میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جو آدمی قرآن کریم تازہ تازہ، ایسا تازہ پڑھنا چاہتا ہے جیسے نازل ہو رہا ہو، تو عبد اللہ بن مسعودؓ کے طریقے سے پڑھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا ایک دن، فرمایا، عبد اللہ! مجھے قرآن کریم سناؤ۔ یا رسول اللہ! میں سناؤں آپ کو؟ آپ پر تو نازل ہوتا ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں، تم مجھے قرآن کریم سناؤ، اس لیے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح قرآن کریم پڑھنے کا ثواب حاصل کرتا ہوں، سننے کا ثواب بھی حاصل کرتا ہوں۔

جب حضرت عمرؓ نے حق مہر کی حد مقرر کر دی

https://zahidrashdi.org/3519

اسلام میں عورت کا مقام کیا ہے اور عورت کی رائے کا حق کیا ہے؟ تفسیر ابن کثیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ واقعہ نقل کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ ہے، خلافت کا دور ہے۔ حضرت عمرؓ نے مسجد نبویؐ میں جمعے کے خطبے کے دوران ایک اعلان فرمایا، حکم صادر فرمایا، امیر المؤمنین تھے، خلیفہ راشد تھے۔ آرڈر یہ جاری کیا کہ، مہر جو شادی میں ہوتا ہے، فرمایا مہر میں لوگ بڑی بڑی رقمیں مقرر کرنے لگے ہیں۔ اس وقت تو جوش و خروش میں مقرر کر دی، بعد میں

جب دینے کی باری آتی ہے تو پھر مسئلہ خراب ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اعلان فرمایا کہ شادی میں بڑے بڑے مہر مقرر کرنے شروع کر دیے ہیں انہوں نے، بعد میں جھگڑا ہوتا ہے، تو میں اعلان کرتا ہوں کہ چار سو درہم سے زیادہ کسی شادی میں مہر مقرر نہ کیا جائے۔ چار سو درہم۔ چاندی کا سکہ ہوتا تھا ساڑھے تین ماشے کا۔ حضرت عمرؓ نے آرڈر جاری کر دیا۔

جمعہ پڑھ کر فارغ ہوئے، باہر نکلے، عورتیں بھی آئی ہوئی تھیں، حافظ ابن کثیرؒ کی روایت کے مطابق ایک قریشی خاتون نے دروازے پر روک لیا۔

امیر المؤمنین! آپ نے مہر کی رقم پر پابندی لگا دی ہے؟

فرمایا، ہاں لگا دی ہے۔

آپ نے کہا کہ چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ دیا جائے کسی عورت کو؟

فرمایا، ہاں میں نے کہا ہے۔

آپ کو کس نے اختیار دیا ہے، آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟

یا اللہ! ایک عورت مسجد نبویؐ کے دروازے پر حضرت عمرؓ کو ٹوک رہی ہے کہ آپ کو کس نے اختیار دیا ہے اور حوالہ دیا کہ آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟

فرمایا خدا کی بندی! قرآن میں یہ مسئلہ کدھر ہے؟

اس نے کہا، ہے، میں بتاتی ہوں۔ اس نے کہا قرآن کریم نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وآتیتم احداھن قنطارًا فلا تأخذوا منه شیئًا خاوند سے بیوی کو ملنے والی رقم اس کا ذکر کیا ہے قرآن کریم نے۔ اگر تم نے اپنی بیویوں کو قنطار برابر دولت بھی دی ہے تو دینے کے بعد اب واپس نہ مانگنا شروع کر دو۔ جو دے دیا بس دے دیا۔ قنطار کا لفظ ہے، قنطار ڈھیر کو کہتے ہیں۔ محاورے کا ترجمہ یہ بنتا ہے کہ اگر تم نے اپنی بیوی کو ڈھیروں دولت بھی دے دی ہے تو فلا تأخذوا اب واپس نہ مانگنا شروع کر دو، ہو گئی اس کی، ملک ہو گئی ہے۔ کہنے لگی امیر المؤمنین قرآن کریم تو ہمیں ڈھیروں دلواتا ہے خاوندوں سے، آپ کہتے ہیں چار سو درہم سے زیادہ مت دو۔ استدلال دیکھیں اس عورت کا۔

(حضرت عمرؓ) واپس گئے مسجد نبویؐ میں، جاکر منبر پر کھڑے ہوئے، لوگوں کو بلایا آؤ بھئی بات سنو۔ میں نے ابھی اعلان کیا تھا تمہارے سامنے کہ چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر نہ کیا جائے۔ مجھے مسجد کے دروازے پر ایک قریشی خاتون نے روکا ہے، اس نے مجھے قرآن کریم کی آیت کا حوالہ دیا ہے، خدا کی قسم اس آیت کی طرف میرا دھیان پہلے نہیں تھا، اس نے توجہ دلائی ہے، وہ ٹھیک کہتی ہے، میرا اعلان غلط تھا، میں اپنا اعلان واپس لیتا ہوں۔ ایک جملہ پھر ہنستے ہنستے دلگی کے انداز میں فرمایا۔ میری بہن اگر کوئی سن رہی ہے تو میں بہنوں کو یہ جملہ بطور تحفہ بتایا کرتا ہوں۔ فرمایا کہ اب تو مدینہ کی عورتیں عمر سے بھی زیادہ قرآن جاننے لگی ہیں۔

اس سے آپ اندازہ کرلیں کہ عورت کا رائے کا معیار کیا ہے، عورت کا علم کا معیار کیا ہے۔ عورت کا علم میں اچھے زمانوں میں کیا معیار تھا، اور رائے کا معیار کیا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے امیر المؤمنین کو راستے میں روک کر اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ ہاں، شرط ہے کہ دلیل ہو پاس، بغیر دلیل کے نہیں، عورتوں والا دھکا نہ ہو۔ دلیل اگر اس کے پاس ہے تو حضرت عمرؓ جیسے امیر المؤمنین کو راستے میں روک کر اپنا آرڈر واپس لینے پر مجبور کر سکتی ہے۔ اسلام نے تو عورت کی رائے کا اس حد تک احترام کیا ہے۔

ویلفیئر اسٹیٹ کا آغاز

https://zahidrashdi.org/3494

بیت المال کا جب لفظ بولتے ہیں تو ہمارے ذہنوں میں ایک تصور ہوتا ہے کہ کوئی کمرہ تھا اس میں گندم اور جو وغیرہ رکھ دیتے تھے، اور وہ بیت المال ہوتا تھا۔ یہی تصور آتا ہے نا؟ کوئی سونا چاندی کوئی زیورات وغیرہ جو آتے تھے وہ کمرے میں بند کر کے تالا لگا دیتے تھے، اس کو بیت المال کہتے ہیں۔ نہیں، بیت المال سسٹم کا نام ہے، ایک نظام تھا پورا۔ دو واقعات آج بیان کروں گا حضورؐ کے زمانے کے، کہ ماحول کیا بنایا تھا حضورؐ نے۔

یہ ماحول بن گیا تھا کہ کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہے اور میسر نہیں ہے، سیدھا حضورؐ کے پاس آتا

تھا، مل جاتی تھی۔ کسی کو غلے کی ضرورت ہے، کسی کو سواری کی ضرورت ہے، کسی کو کسی اور چیز کی ضرورت ہے، جس چیز کی ضرورت ہے وہ مل نہیں رہی، یا حاصل کرنے کی سکت نہیں ہے، ہمت نہیں ہے، تو وہ چیز کہاں سے ملتی تھی؟ حضورؐ کے پاس آتے تھے، مل جاتی تھی۔

ایک واقعہ، جو لطیفہ بھی ہے واقعہ بھی ہے۔ حضورؐ تشریف فرما ہیں، ایک آدمی آیا، مسافر تھا۔ یا رسول اللہ! میں مسافر ہوں، فلاں جگہ سے آرہا تھا، فلاں جگہ جارہا ہوں، اونٹ مر گیا ہے۔ سواری میری مر گئی ہے، آگے گھر جانے کے لیے سواری نہیں ہے، ایک سواری دے دیں۔ اس زمانے میں سب سے قیمتی چیز اونٹ ہوا کرتی تھی۔ حضورؐ خوش طبعی کے موڈ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اچھا ٹھیک ہے بیٹھو، میں تمہیں ابھی اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ وہ پریشان ہو گیا کہ مجھے سواری کے لیے اونٹ چاہیے اور یہ بچہ دے رہے ہیں مجھے، میں کیا کروں گا، میں اس پر سوار ہوں گا یا وہ مجھ پر سوار ہو گا۔ بیٹھ تو گیا بیچارہ۔ حضورؐ خوش طبعی کے موڈ میں تھے۔ اور میں کہا کرتا ہوں کہ حضورؐ خشک مزاج بزرگ نہیں تھے، بڑے خوش طبع بزرگ تھے۔ ہلکی پھلکی دل لگی کیا بھی کرتے تھے، سہتے بھی تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال سے اونٹ منگوایا۔ اس کی مہار اُس کو کو پکڑائی، فرمایا، یہ بھی کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہے۔ ماحول سمجھ میں آیا؟

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم گھر والوں نے، برادری کے کچھ لوگوں نے کسی سفر پر جانا تھا، کوئی چار پانچ سواریاں چاہئیں تھیں۔ ایک نہیں، چار پانچ اونٹ چاہیے تھے۔ مشورہ ہوا کہ جا کر درخواست کرتے ہیں یا رسول اللہ! اونٹ چاہئیں تین چار۔ میری ڈیوٹی لگی کہ جاؤ جا کر سوال کرو۔ ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں گیا۔ لیکن میں نے اندازہ نہیں کیا کہ جا کر کسی مجلس میں بات کرتے ہوئے پہلے مجلس کا ماحول دیکھنا چاہیے کہیں کوئی غصے سے تو نہیں بیٹھے ہوئے، ناراض تو نہیں بیٹھے ہوئے، اندر پہلے سے کوئی مسئلہ تو نہیں کھڑا ہوا۔ میں نے ماحول نہیں دیکھا، حضورؐ کسی وجہ سے ناراض بیٹھے ہوئے تھے، کوئی وجہ تھی۔ میں نے جاتے ہی کہا یا رسول اللہ چار پانچ اونٹ چاہئیں۔ فرمایا، نہیں ہیں لیس عندی۔ یا رسول اللہ، ہم نے سفر پر جانا ہے۔ بھئی، نہیں ہیں، نہیں دوں گا۔ اب میں اصرار کر رہا ہوں، حضورؐ کا غصہ بڑھ رہا ہے۔ میں نے تیسرا سوال

کیا تو حضورؐ نے فرمایا واللہ لا احملکم شیئًا خدا کی قسم کوئی سواری نہیں دوں گا تمہیں، جاؤ۔

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں منہ لٹکائے واپس، گھر والوں سے کہا کہ یار یہ ہو گیا ہے، حضورؐ نے کہا نہیں ہیں، پھر کہا نہیں دوں گا، پھر قسم اٹھالی خدا کی قسم نہیں دوں گا۔ اب کیا کریں؟ میں، کہتے ہیں ابھی رپورٹ دے رہا ہوں اپنے خاندان والوں کو، پیچھے سے کسی نے آواز دی، عبد اللہ۔ ان کا نام عبد اللہ تھا۔ عبد اللہ! حضورؐ بلا رہے ہیں۔ میں گیا واپس۔ دو جوڑیاں اونٹوں کی کھڑی تھیں۔ چار اونٹ۔ حضورؐ نے فرمایا یہ لے جاؤ۔ اچھا، خود کہہ رہے ہیں کہ دوسری غلطی مجھ سے یہ ہوئی، میں نے اونٹ پکڑے چل پڑا، مل گئے شکر ہے۔ راستے میں جاتے ہوئے کسی نے مجھ سے کہا یا مجھے خود احساس ہوا کہ ابو موسیٰؓ یہ کیا کیا تم نے۔ حضورؐ نے کہا تھا نہیں ہیں، پھر قسم اٹھائی تھی نہیں دوں گا۔ قسم کا پوچھا ہے حضورؐ سے؟ اونٹ لے کر چل پڑے ہو۔ مجھے احساس ہوا کہ میں نے دوہری غلطی کر لی ہے۔ میں واپس گیا۔

یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا تھا میرے پاس نہیں ہیں۔ فرمایا، نہیں تھے، یہ میں نے قیس کے باڑے سے منگوائے ہیں۔ قیس بن سعد بن عبادہؓ۔ مدینہ منورہ میں سب سے بڑا باڑہ اونٹوں کا سعد بن عبادہ کا تھا، سردار بھی بڑے تھے، بنو خزرج کے سردار تھے۔ ان کا اونٹوں کا بہت بڑا باڑہ تھا۔ یا رسول اللہ! آپ نے قسم اٹھائی تھی؟ فرمایا، ہاں یاد ہے مجھے، لیکن میرا معمول یہ ہے، اگر کوئی قسم اٹھا لوں، بعد میں خیال ہو کہ یہ قسم خیر کے کام میں رکاوٹ بن رہی ہے، تو میں قسم کی پروا نہیں کرتا، قسم توڑ دیتا ہوں، خیر کا کام نہیں روکتا، کفارہ دے دیتا ہوں۔ اصول بھی یہی ہے۔ ویسے قسم پوری کرنے کا حکم ہے، لیکن وہ قسم جو کسی خیر کے کام میں رکاوٹ نہ بن رہی ہو۔ فرمایا، تم لے جاؤ، میں جانوں، قسم جانے، کفارہ جانے، تم جاؤ۔

یہ دو واقعات عرض کیے ہیں، دونوں بخاری شریف میں ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا من ترک کلًّا او ضیاعًا فالیّ وعلیّ بوجھ جس کے ذمے ہے اور وہ پورا نہیں کر سکتا، بے سہارا اور ضرورتمند ہے کوئی، وہ میرے پاس آئے گا اور میرے ذمے ہو گا۔ حضورؐ نے ماحول ایسا پیدا کر دیا تھا کہ جس کی ضرورت ہے وہ آتا تھا اور وہاں سے ضرورت پوری ہو جاتی تھی۔ یہ ویلفیئر

اسٹیٹ کا آغاز تھا۔

امن اور خوشحالی کا راستہ

https://zahidrashdi.org/3487

بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ مسجد نبوی تھی، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، صحابہ کرامؓ کی مجلس تھی، میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔

ایک آدمی آیا، سلام عرض کر کے بیٹھ گیا۔ اور کہا یا رسول اللہ! میں جس علاقے سے آیا ہوں اس علاقے میں چوریاں بہت ہوتی ہیں، ڈکیتیاں بہت ہوتی ہیں، بدکاریاں بہت ہوتی ہیں، قتل بہت ہوتے ہیں، جان محفوظ نہیں، مال محفوظ نہیں، عزت محفوظ نہیں۔

تھوڑی دیر گزری، ایک اور شخص آیا۔ سلام عرض کیا، یا رسول اللہ! میں جس علاقے سے آیا ہوں وہاں خشک سالی بہت ہے، بارش نہیں ہوتی، کافی عرصہ سے بارش نہیں ہوئی، غلّہ نہیں ہے، کنویں گہرے ہو گئے ہیں، پانی خشک ہو گیا ہے، بھوک طاری ہے لوگوں پر، کھانے کو نہیں ملتا، فاقہ ہے، بڑا برا حال ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تو کچھ نہیں کہا، عدی کہتے ہیں مجھے مخاطب کیا۔

عدی! تم نے حیرا دیکھا ہے؟ یہ شہر تھا ایک، اب یہ کوفہ کے ساتھ ہو گا کہیں۔

یا رسول اللہ! دیکھا تو نہیں، سنا ہے، بڑا مشہور منڈی ہے، بڑا مشہور شہر ہے، بڑا بارونق علاقہ ہے، دیکھا تو نہیں، سنا تو ہے۔

فرمایا، عدی! اگر اللہ رب العزت نے تمہیں تھوڑی لمبی عمر دی تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ حیرا سے ایک خاتون چلے گی، مکے آئے گی، اونٹ کے کجاوے میں بیٹھی ہو گی، اونٹ پر سفر کرے گی، تنہا ہو گی، سونے چاندی کے زیورات سے لدی ہوئی ہو گی، حیرا سے چلے گی مکہ آئے گی، مکہ سے چلے گی حیرا جائے گی، آتے جاتے پورے راستے میں اسے اللہ کی ذات کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہو گا۔

عدی کہتے ہیں عجیب سی بات تھی، یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا، لیکن حضورؐ فرما رہے ہیں کہ ہو گا۔ کہتے ہیں ایک سوال میرے ذہن میں آیا، سوال میرے ذہن میں گھومتا رہا، میں نے کیا نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بات فرمادی۔

عدی! اگر تم نے کچھ اور عمر پائی، لمبی عمر ہوئی تیری تو ایک منظر اور دیکھو گے۔ کسریٰ کے خزانے فتح ہوں گے، اس مدینہ میں آئیں گے، تقسیم ہوں گے۔ یہ منظر بھی دیکھو گے۔ کسریٰ، اس زمانے کی سپر پاور کا حکمران۔

عدی کہتے ہیں، بڑی تعجب کی بات تھی، میں نے پہلا سوال تو نہیں کیا، یہ سوال کر دیا۔ یا رسول اللہ! وہ ہرمس کا بیٹا کسریٰ، فارس کا بادشاہ، وہ؟

حضورؐ نے بڑے اطمینان سے سر ہلایا نعم۔ ہاں ہاں وہی کسریٰ بن ہرمس۔

عدی کہتے ہیں میرا دماغ گھوم رہا ہے، لیکن ایمان تو تھا۔ حضورؐ نے تیسری بات فرمادی۔

عدی! اگر اللہ رب العزت نے تمہیں اور تھوڑی لمبی عمر دی تو ایک منظر اور دیکھو گے کہ تم لوگ ہاتھوں پر سونا چاندی اٹھا کر یوں بازار میں جاؤ گے، منڈیوں میں جاؤ گے، آواز دو گے کہ یہ میری زکوٰۃ ہے، میرے محلے میں میری برادری میں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں رہا، کوئی زکوٰۃ کا مستحق میری آواز سن رہا ہو تو خدا کے لیے مجھ سے زکوٰۃ وصول کرے اور مجھے فارغ کرے۔

عدی جب یہ روایت بیان کر رہے ہیں، واقعہ تو حضورؐ کے زمانے کا ہے، لیکن جب یہ روایت بیان کر رہے ہیں، یہ حضرت عمرؓ کا زمانہ ہے۔ پندرہ بیس سال کے بعد بیان کر رہے ہوں گے۔ کہتے ہیں والذی نفسی بیدہ اس پروردگار کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، حضورؐ نے تین باتیں فرمائی تھیں، دو باتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں، اور تیسری کے انتظار میں ہوں، ایسے جیسے رات کو صبح کے سورج کی انتظار ہوتی ہے۔

۱. کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تمثیل نہیں بیان کی تھی، پیشگوئی فرمائی تھی، میں نے ایک خاتون کو حیرا سے مکے جاتے ہوئے دیکھا ہے، مکے سے واپس آتے ہوئے دیکھا ہے، ہمارے پاس سے گزر کر گئی ہے، سونے چاندی کے زیورات سے لدی ہوئی تھی،

کجاوہ سامان سے بھرا ہوا تھا، بڑے مزے سے گئی ہے، بڑے مزے سے آئی ہے۔ پورے راستے میں کہیں بھی اس کو خدشہ نہیں ہوا، کوئی قتل کر دے گا، کوئی سونا اتار لے گا، کوئی زیور لے لے گا، کوئی عزت لوٹ لے گا، کوئی بے عزتی کرے گا، بڑے امن سے گئی ہے، بڑے امن سے آئی ہے، اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔

۲. فرماتے ہیں، میں نے کسریٰ کے خزانے فتح ہوتے دیکھے ہیں، مدینہ میں آتے دیکھے ہیں، تقسیم ہوتے دیکھے ہیں۔ نہیں، فتح کرنے والوں میں، اٹھا کر لانے والوں میں، میں خود بھی شامل تھا۔

۳. اور محدثین فرماتے ہیں یہ تیسری بات بھی حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں پوری ہوگئی۔

حضرت معاذ بن جبلؓ معروف صحابی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی یمن کے گورنر تھے، اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی یمن کے گورنر تھے۔ یمن کے علاقے سے حضرت معاذ بن جبلؓ نے سال کی جو آمدنی ہوئی، بیت المال کی، زکوٰۃ، عشر، صدقات، جزیہ، خراج وغیرہ، آج کی اصطلاح میں ریونیو کہہ لیں، سال میں جو وصول ہوا، اور صوبے کا بجٹ پورا ہو گیا، تنخواہیں اور وظیفے وغیرہ سارے پورے کر کے پیسے بچ گئے۔

فاضل بجٹ تھا، ایک تہائی، مرکز کو بھیج دیا۔ مرکز ناراض ہو گیا، حضرت عمرؓ نے خط لکھا۔ "کتاب الاموال" میں موجود ہے یہ۔ فرمایا، معاذ! تم تو سمجھدار آدمی ہو، عالم ہو، حضورؐ کے زمانے میں بھی گورنر رہے ہو، تمہیں پتہ ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ کا اصول یہ ہے تؤخذ من اغنیائھم وترد علٰی فقراء ھم جس علاقے کے امراء سے وصول کی جائے اسی علاقے کے غرباء میں خرچ کی جائے۔ یہ وہاں کے غرباء کا حق ہے، مجھے کیوں بھیج دیا؟ یمن کے امیروں سے وصول ہوئی ہے تو یمن کے فقیروں کا حق ہے یہ۔

معاذ بن جبلؓ نے خط لکھا، امیر المومنین! آپ ٹھیک فرما رہے ہیں، مجھے معلوم ہے یہ۔ لیکن میرے صوبے کے بیت المال کی ساری ضروریات پوری ہونے کے بعد یہ پیسے بچ گئے ہیں۔

بات یہیں نہیں رہی، اگلے سال آدھی آمدنی بھیج دی۔ خط لکھا، یا حضرت! اس سال ضرورت

کم رہی ہے، یہ آدھی آمدنی بچ گئی ہے وہ آپ کو بھیج رہا ہوں۔

تیسرے سال دو تہائی بھیج دی۔ اور "کتاب الاموال" کی روایت بیان کر رہا ہوں کوئی افسانہ نہیں بیان کر رہا۔

چوتھے سال پورے کا پورا ریونیو مرکز میں بھیج دیا اور خط لکھا، امیر المومنین! اللہ کے قانون کی برکت سے اور آپ جیسے نیک حکمران کی برکت سے میرے صوبے میں آج ایک آدمی بھی زکوۃ کا مستحق نہیں ہے۔

ایک مسلمان کی تکلیفیں اور غم

https://zahidrashdi.org/3481

مسند دارمی کی روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، مجلس لگی ہوئی ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں سامنے۔ ایک آیت نازل ہوئی لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوء یجز بہ۔

اس کا تھوڑا سا پس منظر یہ ہے کہ ایک مشترک مجلس تھی، جس میں یہودی بھی تھے، مسلمان بھی تھے، اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے، مدینہ کا ماحول مشترک تھا۔ تو ایک یہودی نے کہہ دیا کہ ہمیں کس نے پوچھنا ہے یار؟ ہم وی آئی پی ہیں، انبیاءؑ کی اولاد ہیں، سیدھے جنت میں جائیں گے۔ ایک صحابی نے پاس بیٹھے ہوئے سنا تو اس کو غصہ آیا، اچھا! تم انبیاءؑ کی اولاد ہو، سیدھے جنت میں جاؤ گے؟ ہم انبیاءؑ کے سردارؐ کے ساتھی ہیں، ہمیں کون روکے گا؟ سیدھے (جنت میں) جائیں گے۔ مجلسوں میں یہ باتیں ہو جاتی ہیں۔ ہو جاتی ہیں یا نہیں؟

اللہ رب العزت نے قرآن کریم کی آیت اتاری لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوء یجز بہ بھئی دیکھو! مغالطے میں نہ رہنا، نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر فیصلے ہوں گے، نہ تمہاری آرزوؤں پر فیصلے ہوں گے، فیصلے اعمال پر ہوں گے۔ آیت نازل ہوئی تو حضورؐ نے سنا دی کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس کا جملہ ہے من یعمل سوء یجز بہ جس نے کوئی غلط کام کیا بھگتنا پڑے گا، سادہ ترجمہ کر رہا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے کوئی چھوٹی سی غلطی بھی کی، اس کو لازماً سزا ملے گی۔

یہ آیت جب سنی تو حضرت صدیق اکبرؓ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا، کپکپانے لگے۔ کاد اَن یسقط قریب تھا کہ گر پڑتے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑ گئی مالک یا ابا بکر؟ ابوبکر خیر تو ہے، کیا ہوا؟ یا رسول اللہ! آپ نے سنایا کیا ہے! جس نے چھوٹی سی غلطی بھی کی اس کو بھگتنی

پڑے گی، اس کو سزا مل کر رہے گی۔ یا رسول اللہ! چھوٹی موٹی غلطیاں تو ہوتی رہتی ہیں، کون بچے گا ہم میں سے؟ چھوٹی موٹی غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں، اور کس دن نہیں ہوتیں؟ ہوتی رہتی ہیں۔ ہم تو مارے گئے۔ اگر معیار یہ ہے کہ چھوٹی سی غلطی پر بھی پکڑ ہوگی اور سزا ملے گی تو مارے گئے۔

پریشانی سمجھ میں آئی ہے؟ یہ پریشانی کا اظہار کون کر رہا ہے؟

حضورؐ نے فرمایا، اوہو ٹھیک ہے، ابوبکر گھبراؤ نہیں۔ یجز بہ غلطی کی سزا ملے گی، یہ سب کچھ آخرت میں نہیں ہوگا، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی بدلے چیز کا کفارہ بنا دیتے ہیں۔ مومن کو کوئی تکلیف، کوئی غم، کوئی پریشانی، کوئی نقصان ہوتا ہے، کوئی بھی ہوتا ہے، کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے۔ ایک جملہ فرمایا، اگر چلتے چلتے پاؤں میں کانٹا چبھا ہے نا، یہ بھی کسی گناہ کا کیا ہو جائے گا؟ کفارہ ہو جائے گا۔ اس لیے مومن یہیں سے واش (گناہوں سے صاف) ہو کر جاتا ہے۔

دعا کیسے قبول ہوتی ہے؟

https://zahidrashdi.org/3509

ایک پہلو یہ ہے کہ دعا کیسے قبول ہوتی ہے؟ ایک یہ ہے کہ دعا کیوں قبول نہیں ہوتی؟ اس پر میں دو باتیں عرض کرنا چاہوں گا۔

یہ سوال ہوا تھا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، مستجاب الدعوات تھے اور ان کے بارے میں مشہور بھی تھا اور مشاہدہ بھی تھا کہ ان کے منہ سے نکلی ہوئی کوئی بات کبھی خالی نہیں گئی، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور اکابر صحابہؓ میں سے ہیں۔

کسی نے پوچھ لیا کہ حضرت! یہ مقام آپ نے کیسے حاصل کیا کہ آپ کے منہ سے نکلی ہوئی کوئی بات کبھی خالی نہیں ہوئی اور لوگوں کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ آپ ان کے حق میں کوئی جملہ کہہ دیں جو اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے، تو دعا کی قبولیت کی وجہ کیا ہے؟

انہوں نے ایک بات فرمائی تھی کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے اس وقت سے لے کر آج تک، جب یہ بیان فرما رہے ہیں تقریباً نصف صدی درمیان میں ہے، فرماتے ہیں کہ میرے

اس حلق سے ایک لقمہ بھی ایسا نہیں اترا میں جس کے بارے میں نہیں جانتا کہ کہاں سے آیا ہے اور کیسے آیا ہے۔ حلال روزی، یہ تو ہے دعا قبول کیسے ہوتی ہے، جتنا انسان کا جسم پاک ہوگا، حلال پر مبنی ہوگا، انسان کی خوراک پاک ہوگی اتنی دعا کی قبولیت کی تاثیر ہوگی۔

اور دوسرا پہلو کہ دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی آتا ہے غبار آلود میلے کپڑے، دور دراز سے سفر کر کے، بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر دعا مانگتا ہے یا اللہ! یہ کہ، وہ کر۔ فرمایا ملبسہ حرام و مشربہ حرام و مطعمہ حرام اس کا لباس حرام کا ہے، اس کا پینا حرام کا ہے، اس کا کھانا حرام کا ہے۔ انا یستجاب لہ؟ اس کی دعا کہاں سے قبول ہوگی؟

یہ دونوں پہلو کہ دعا قبول کیسے ہوتی ہے اور کیوں نہیں ہوتی؟ یہ جناب نبی کریمؐ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے حوالے سے میں نے عرض کیا ہے اکلِ حلال جس قدر ہوگا دعا کی قبولیت کے قریب جائے گا۔

دعا کا دوسرے کو کہنا یہ بھی سنت ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ حضورؐ سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے ادع لنا یا رسول اللہ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی، حضرت عمرؓ عمرے پر جا رہے تھے، فرمایا لا تنسنا یا أخی من دعائک عمرے پر جا رہے ہو ہمیں دعا میں نہ بھولنا۔ ایک دوسرے کو دعا کے لیے کہنا یہ بھی سنت ہے۔ دینا تو اللہ نے ہی ہے، اللہ سے ہی مانگنا ہے۔ لیکن اگر کسی زندہ بزرگ کو درخواست کی جائے، بہت سے واقعات ہیں جن کے پیچھے دعا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ بھی ہوں میرے پیچھے حضورؐ کی دعا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں جو کچھ بھی ہوں میرے پیچھے حضورؐ کی دعا ہے۔

سوال یہ تھا کہ جب سب کچھ تقدیر میں لکھا ہوا ہے تو پھر دعا کا مطلب کیا ہے؟ حضورؐ کے پاس لوگ سوال لے کر آتے تھے، کسی چیز کی ضرورت ہے تو آ کر خدمت میں عرض کرتے تھے، تو ایک دن جناب نبی کریمؐ نے اپنی مجلس کے شرکاء سے کہا کہ باہر کوئی آدمی آتا ہے سوال کرتا ہے تو تم سفارش کیا کرو، ہونا تو وہی ہے جو اللہ نے مجھ سے کروانا ہے، تم سفارش کے ثواب سے کیوں محروم

ہوتے ہو؟ دعا کی اپنی برکات ہیں۔

توبہ کی قبولیت کا وقت

https://zahidrashdi.org/3484

ھل ینظرون الا ان تاتیھم الملائکۃ کیا اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ فرشتے ان کے پاس آئیں؟ یا پھر اللہ ان کے پاس آجائے اچانک۔ یا پھر اللہ کے عذاب کی نشانیاں آئیں۔ فرمایا، یاد رکھو! جب عذاب آجاتا ہے، اللہ کی گرفت کی نشانیاں آجاتی ہیں، اس کے بعد کا ایمان قبول نہیں ہے۔ یوم یاتی بعض آیات ربک جس دن تیرے رب کی نشانیوں میں سے کوئی سامنے آگئی لا ینفع نفس ایمانھا پھر کسی نفس کو اس کا ایمان فائدہ نہیں دے گا لم تکن اٰمنت من قبل یعنی پہلے جو ایمان لا چکا اس کا ایمان تو ٹھیک ہے، لیکن اللہ کے عذاب کی نشانی دیکھ کر ایمان لانے والے کا ایمان قبول نہیں ہوگا۔

یہ اللہ کا ضابطہ ہے۔ اس کو کہتے ہیں حالتِ نزع کا ایمان۔ ایک فرد پر جب موت کی نشانیاں آتی ہیں، عام آدمی کی بات بھی یہ ہے کہ اگر کافر ہے تو ایمان، گنہگار (مسلمان) ہے تو توبہ۔ نزع سے پہلے پہلے۔ نزع کی کیفیت طاری ہوئی تو نہ ایمان قبول ہے نہ توبہ۔

- انسان کے لیے نزع تو یہ ہے کہ موت کے فرشتے نظر آگئے۔
- قوموں کے لیے نزع کیا ہے؟ عذاب کی نشانی آگئی کوئی۔
- اور کائنات کے لیے نزع کیا ہے؟ وہ آخری وقت جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔

پھر نہ کسی کی توبہ قبول ہوگی، نہ کسی کا ایمان قبول ہوگا۔ فرمایا، موت دیکھ کر ایمان لائے تو اس ایمان کا فائدہ کیا ہے؟

نیکی اور گناہ پر اجر کا ضابطہ

https://zahidrashdi.org/3486

فرمایا دیکھو! آخرت کا دن سزا اور جزا کا ہے۔ نیکیوں کا بدلہ بھی ملے گا، گناہوں کی سزا بھی ملے گی۔ لیکن ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ، نیکی کے صلے کا ضابطہ اور ہے، گناہ پر سزا کا ضابطہ اور ہے۔

فرمایا نیکی کا ضابطہ یہ ہے کہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها جو بھی نیکی کا کام لایا، کوئی نیکی کا اچھا کام کیا ہے، تو دس گنا اجر ملے گا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ کسی بھی نیکی پر دس گنا سے کم اجر نہیں دیں گے۔ کوئی بھی نیکی ہو، چھوٹی ہو، بڑی ہو، اس کا اجر و ثواب دس گُنا سے شروع ہوتا ہے۔ بلکہ دس بھی نہیں گیارہ گُنا۔

ایک روایت میں آتا ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

- ایک شخص نے نیکی کا ارادہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دے رکھا ہے کہ ارادہ بھی لکھو، اسے نیکی لکھو۔
- ارادے کے بعد (نیکی) کر گزرا، فرمایا دس اور لکھو۔

فرمایا گناہ پر سزا کا ضابطہ اور ہے:

- ایک شخص نے گناہ کا ارادہ کیا، غلط کام کا ارادہ کیا۔ اللہ کا حکم ہے، ابھی نہ لکھو، شاید ترک کر دے۔
- پھر خیال آیا اور چھوڑ دیا کہ نہیں کرتا میں یہ گناہ۔ فرمایا اس کو نیکی لکھو۔
- اگر گناہ کا ارادہ کر لیا ہے اور پھر کر بھی گزرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ابھی نہ لکھو بھئی۔
- اگر توبہ کر لی خیال آنے پر۔ فرمایا نہیں لکھو۔
- اگر توبہ نہیں کی۔ فرمایا اب ایک گناہ لکھو۔

من جاء بالحسنة جو نیکی لے کر آیا فله عشر امثالها اس کے لیے دس گنا نیکیوں کا اجر ہے۔ ومن جاء بالسیئة اور جو گناہ لے کر آیا، غلط کام کیا، غلط حرکت کی فلا یجزیٰ الا مثلها نہیں بدلہ دیا

جائے گا مگر ویسا ہی، یعنی اس کے برابر، اس سے زیادہ نہیں۔ فرمایا کہ یہ ہمارا وعدہ ہے، ہم کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کریں گے، معافی تو ہو سکتی ہے، زیادتی نہیں ہوگی۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہم گناہ معاف کر دیں، لیکن کسی گناہ پر اس کی مقدار سے زیادہ سزا دے دیں یہ نہیں ہوگا وھم لا یظلمون اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔

کسی اور کے جرم کی سزا

https://zahidrashdi.org/3488

جاہلیت کے زمانے میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی شخص قتل ہو گیا ہے تو مقتول کے قبیلے کے لوگوں کا یہ حق ہوتا تھا کہ وہ قاتل کے قبیلے کے لوگوں میں سے جس کو مرضی مار دیں۔ اگر قاتل قابو نہیں آیا تو قبیلے کا کوئی اور آدمی قابو آ گیا، اسے مار دیں۔ یہ قبیلے کا انتقام ہوتا تھا کہ ایک قبیلے نے دوسرے قبیلے سے انتقام لینا ہے، ہمارے قبیلے کا آدمی مارا تھا، ہم نے اس قبیلے کا آدمی مارنا ہے۔ تو دو دو، تین تین، چار چار مار دیتے تھے، پھر وہ جواب میں مارتے تھے۔ یہ لڑائی صدیوں تک رہتی تھی بعض قبائل میں۔ بنو اوس اور بنو خزرج میں اسی قسم کی لڑائی تھی جو ایک سو بیس سال رہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ختم کر دیا کہ نہیں بھئی، وہ آدمی ذمہ دار ہے، قبیلہ ذمہ دار نہیں ہے۔ جس نے مارا ہے وہ ذمہ دار ہے، وہ اگر قابو آتا ہے تو پکڑو اسے جو قانون ضابطہ ہے وہ کرو۔ لیکن یہ نہیں کہ ایک آدمی نے قتل کیا ہے تو اس کا بھائی مارا جائے، اس کا بھائی پکڑا جائے، اس کا باپ پکڑا جائے، اس کا بیٹا پکڑا جائے، یہ نہیں۔ یہ جاہلیت کا رواج جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جس کو قبیلے کا انتقام کہتے تھے، برادی کا انتقام، اس کو حضورؐ نے ختم کر دیا۔ اور پھر ایک گنجائش یہ بھی دی کہ اگر فدیہ دے دیں، دیت دے دیں، تب بھی ٹھیک ہے۔ اگر مقتول کے وارث راضی ہوں کہ ہم دیت دے دیتے ہیں، تو اس کا بھی یہاں اعلان کیا۔ جس قبیلے کا کوئی آدمی مارا گیا ہے تو ان کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے کہ

۱. قاتل کو اگر قصاص میں قتل کرنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔

۲. اور اگر فدیہ لینا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے، یعنی دیت۔

تیسری بات نہیں ہوگی کہ قاتل کا کوئی آدمی (رشتہ دار) پکڑ لیا اور اسے مار دو، فرمایا اس کی اجازت نہیں ہے۔ وہ جاہلیت کا جو رواج تھا حضورؐ نے ختم کر دیا۔

ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا، حجۃ الوداع میں، کوئی آدمی کسی دوسرے کے جرم میں، بھائی کے جرم میں، باپ کے جرم میں، بیٹے کے جرم میں، کوئی آدمی کسی دوسرے کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا۔ جس نے جرم کیا ہے اس کے ساتھ معاملہ ہوگا، اس کے کسی اور رشتہ دار کے ساتھ معاملہ نہیں ہوگا۔

زندہ درگور کر دینے کی رسم

https://zahidrashdi.org/3520

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے وہ رسمِ بد جو زندہ بچیوں کو دفن کرنے کی رسم تھی وہ ختم ہوئی۔ ورنہ اکثر عرب قبائل میں یہ رواج تھا کہ لڑکی کو زندہ ہی دفن کر دیتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے اذا بشر احدھم بالانثٰی ان کا حال یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو بیٹی کی ولادت کی خبر دی جاتی ہے تو ظل وجہہ مسودًا چہرہ اس کا سیاہ ہو جاتا ہے وھو کظیم غصہ پینے والی کیفیت ہوتی ہے یتوارٰی من القوم لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے من سوء ما بشر بہ کہ لوگ مجھے طعنہ دیں گے تیرے گھر بیٹی پیدا ہوگئی ہے، اور اس غم میں پڑا رہتا ہے کہ ام یمسکہٗ علیٰ ھون ام یدسہٗ فی التراب کہ ذلت برداشت کر کے بچی کو زندہ رکھے یا عزت کے ساتھ زندہ دفن کر دے اس کو۔

آپ ایک بات سے اندازہ فرمائیں ایک عرب شاعر ہیں فرزدق، ان کے دادا ہیں صعصعہ بن ناجیہ، وہ اپنا واقعہ بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ میرا اونٹ گم ہوگیا تو میں جنگل میں جا رہا تھا، ایک خیمے کے پاس سے گزر ہوا، رات کا وقت تھا سردی تھی، ایک بوڑھا آگ سینک رہا تھا، میں بھی اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا بھئی کہ میرا اونٹ گم ہوگیا ہے اور اب رات پڑ گئی ہے تو رات یہیں کہیں

تمہارے پاس لیٹا رہوں گا اور کل پھر تلاش کروں گا۔ پوچھا تم یہاں باہر کیوں بیٹھے ہو؟ اس نے کہا میری بیوی اندر ہے، بچہ بچی پیدا ہونے والا ہے، میں باہر انتظار میں ہوں۔

صعصعہ کہتا ہے کہ میرے ہوتے ہوئے اس نے آواز دی خیمے کے اندر کہ اگر بچہ پیدا ہوا تو مجھے بتانا، اور اگر بچی پیدا ہوئی تو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے خیمے کے پچھلے دروازے سے جا کر گڑھے میں دبا دینا اور آ کر مجھے بتانا کہ دبا دیا ہے۔ وہ اپنے گھر والوں سے کہہ رہا ہے کہ اگر بچہ پیدا ہوا تو مجھے بتانا، اور اگر لڑکی پیدا ہوئی تو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے، پچھلے دروازے سے باہر نکلنا اور گڑھے میں دبا کر اس کو مٹی میں مجھے آ کر بتا دینا کہ ہم نے قصہ تمام کر دیا ہے۔

صعصعہ کہتا ہے کہ اتفاق ایسا ہوا کہ تھوڑی دیر کے بعد آواز آئی کہ بچی پیدا ہوئی ہے تو مجھے پتہ تھا کہ یہ زندہ بچی دفن کر دیں گے۔ میں نے کہا اللہ کے بندے! ایسا کرو یہ بچی مجھے دے دو، میں اس کے عوض تمہیں ایک اونٹ دوں گا، اونٹ کے عوض بچی بیچ دو مجھے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ میں بچی گھر لے آیا، بچی کو پالا پوسا۔

کہتے ہیں اس کے بعد میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایسی بات ڈالی کہ جہاں کہیں مجھے پتہ چلتا کہ کسی خاندان میں بچی پیدا ہوئی ہے اور وہ اسے دفن کر دیں گے تو میں جاتا اور اونٹ کے عوض بچی لے آتا۔ جب میں نے اسلام قبول کیا تو میری حویلی کے صحن میں تین سو بچیاں پل رہی تھیں۔ فرزدق کا دادا کہتا ہے، سردار تھا نا یہ بھی، تو کہتا ہے کہ میری حویلی کے صحن میں تین سو بچیاں پل رہی تھیں جب میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ یہ واقعہ میں نے عمومی کیفیت کے حوالے سے بتایا ہے۔

اجتہاد کا جدید تصور

https://zahidrashdi.org/3490

جب پچھلا دور تھا آج سے تیس سال پہلے گرمیوں کے روزوں کا، تو ہمارے ہاں ایک مہم چلی تھی، ایک تجویز آئی تھی، بحث چلی تھی۔ ایک صاحب کا بڑا تفصیلی مضمون چھپا، اس نے کہا یار یہ گرمیوں کے روزے، جون کے روزے، جولائی کے روزے، اگست کے روزے، یہ بھٹی پر کام

کرنے والے مزدور کے لیے اور کدو کرنے والے کاشتکار کے لیے۔ کدو کرنا بڑا مشکل مسئلہ ہوتا ہے، کدو کرنا، یہ مونجی لگانا۔ سخت اوپر سے دھوپ پڑ رہی ہے، آگ برس رہی ہے، نیچے گرم پانی ہے اور ایک ایک پودا کر کے لگانا ہے۔ اس نے کہا یار علماء کرام کو تھوڑا سا امت پر ترس کرنا چاہیے، یہ جو رمضان گھومتا پھرتا ہے، کبھی اگست میں آجاتا ہے، جولائی میں آجاتا ہے اور کبھی جون میں آ جاتا ہے، علماء کرام کو چاہیے کہ وہ اجتہاد کر کے رمضان کا گھومنا پھرنا بند کریں۔ آج کل ہمارے ہاں اجتہاد کا ایک خاص تصور ہے۔

ایک اجتہاد کا تصور ہے شرعی، وہ تو تھا، ہے، رہے گا۔ ایک اجتہاد کا تصور ہے ہمارا۔ شریعت میں اجتہاد کا تصور یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں قرآن کریم کا حکم واضح نہیں ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم ارشاد نہیں ہے، نیا مسئلہ ہے، قرآن کریم میں نہیں مل رہا، حدیث میں نہیں مل رہا، تو علماء کرام قرآن و سنت کی روشنی میں، کچھ شرائط کے ساتھ، اس مسئلہ کا حل نکالیں۔ علماء کرام قرآن و سنت میں ملتی جلتی مثالوں کو سامنے رکھ کر اس کا کوئی حل نکالیں۔ یہ ہے اجتہاد کا شرعی تصور۔ یہ لمبی بات ہے اس پر تفصیل کا وقت نہیں۔

ہمارے ہاں اجتہاد کا تصور یہ ہے، نوجوان نسل کو یہ مغالطہ ہے کہ علماء کو کوئی صوابدیدی اختیار حاصل ہے جو یہ استعمال نہیں کرتے، ضد کر جاتے ہیں۔

پرانی بات ہے میں برطانیہ میں لندن سے مانچسٹر جا رہا تھا ٹرین پر۔ میری کیفیت، ہیئت یہی رہتی ہے الحمد للہ ہر جگہ پر۔ ایک نوجوان نے مجھے دیکھا کہ مولوی صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، وہ میرے پاس آکر بیٹھا، السلام علیکم، وعلیکم السلام، آپ مولانا صاحب ہیں؟ میں نے کہا یار لوگ یہی کہتے ہیں۔ آپ اجتہاد کر سکتے ہیں؟ پہلا سوال یہ کیا۔ میں نے کہا یار مسئلہ بتاؤ۔ آپ کو اجتہاد کی اتھارٹی ہے؟ میں نے کہا یار تم مسئلہ بتاؤ، اگر مسئلہ سمجھ میں آیا، مسئلے کا جو حل میرے پاس ہوا میں بتا دوں گا۔ اس نے کہا بات اصل میں یہ ہے کہ میں الحمد للہ مسلمان ہوں، پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہوں، دوپہر کو میں جاب پر جاتا ہوں جب تو ظہر اور عصر کا وقت نہیں ہوتا، گنجائش نہیں ملتی۔ جاب ایسی ہے، غیر مسلم ملک ہے۔ تو میں نے ایک اجتہاد کر رکھا ہے۔ میں ظہر کی نماز پڑھتا ہوں

فجر کے ساتھ، اور عصر کی پڑھتا ہوں مغرب کے ساتھ۔ آپ اس کی اجازت دے دیں۔ یہ اجتہاد کا آج کا تصور ہے۔

میں نے کہا یار ففٹی ففٹی کروں گا، آدھا آدھا۔ عصر کی جو مغرب کے ساتھ پڑھتے ہو، یہ تو کسی درجے میں کہہ سکتا ہوں کہ قضا ہوئی ہے لیکن نماز ہو گئی ہے۔ ظہر کی جو فجر کے ساتھ پڑھتے ہو، یہ میرے پاس اتھارٹی نہیں ہے، یہ میں نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا بات یہ ہے کہ یہ ''اجتہاد'' مت کرو، میں تمہیں حل بتاتا ہوں اس کا۔ اچھی جاب کی تلاش کی کوشش کرو، ایسی جاب مل جائے جہاں تم نمازیں وقت پر پڑھ سکو، کوشش کرتے رہو۔ جب تک نہیں ملتی، ظہر اور عصر دونوں مغرب کے ساتھ پڑھ لیا کرو، قضا ہوں گی لیکن ہو جائیں گی۔

میں نے یہ بات اس لیے عرض کی کہ آج کل ہمارے ہاں اجتہاد کا تصور یہ ہے کہ جس طرح پاپائے روم کو اختیارات حاصل ہیں کہ وہ جب چاہے کسی حلال کو حرام کر دے، کسی حرام کو حلال کر دے، علماء کو بھی شاید کوئی اختیارات حاصل ہیں لیکن یہ استعمال نہیں کرتے، ضدی لوگ ہیں۔

خیر، اس نوجوان نے تجویز پیش کی کہ رمضان کو ایسا کیا جائے کہ علماء مل بیٹھیں اور اجتہاد کر کے رمضان کو کسی اچھے سے موسم میں باندھ دیں۔ تجویز دی اس نے کہ فروری کا مہینہ رمضان اور یکم مارچ کی عید۔ اس نے کہا رمضان بھی ٹھنڈا ہو جائے گا اور عید کا جھگڑا بھی طے ہو جائے گا، دونوں مسئلے حل ہو جائیں گے۔ اس پر بحث مباحثہ ہوا، میں نے بھی بحث میں حصہ لیا۔ اسی وقت میں نے پھر یہ سارا دیکھا تو یہ روایات میرے سامنے آئیں۔

تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں بھی رمضان ہی کے روزے تھے، ان کا رمضان بھی سارا سال گھومتا تھا، ان کو بھی جولائی اور اگست کے روزے تنگ کرتے تھے، انہوں نے بھی یہی تجویز پیش کی علماء کے سامنے، ان کے علماء نے بات مان لی۔ روایات میں لکھا ہے کہ جب علماء نے فیصلہ کیا ان کے، کہ چلو یہ تھوڑی سی لوگوں کو سہولت دے دیتے ہیں، تھوڑی ریلیف دے دیتے ہیں لوگوں کو کہ روزے ٹھنڈے موسم میں رکھ لیا کرو۔ لیکن چونکہ گڑبڑ کر رہے ہیں، یہ احساس تھا، تیس تو پورے رکھیں گے، ساتھ دس رکھیں گے کفارے کے۔ یہ جو مذہبی عیسائی

روزے رکھتے ہیں، ایسٹران کی عید الفطر ہے، جو اپریل کے پہلے عشرے کے دوران کسی کو یہ قرار دے دیتے ہیں۔ لیکن کیا یہ کہ تیس پورے رکھیں گے اور دس روزے رکھیں گے کفارے کے، کہ یہ جو گڑبڑ کر رہے ہیں یہ کور ہو جائے۔

میں نے کہا یار بات یہ ہے کہ انہوں نے گڑبڑ کی تھی تو تیس سے چالیس پر گئے تھے، اور تم ہم سے گڑبڑ کروا رہے ہو تو تیس سے اٹھائیس پر لیجا رہے ہو۔ کچھ تو خدا کا خوف کرو یار، میں نے کہا کچھ خدا کا خوف کرو یار۔ تین سال اٹھائیس کے اور چوتھے سال انتیس کے، تیسواں ہمیشہ کے لیے چھٹی، جو سب سے مشکل روزہ ہوتا ہے۔

تو میں نے یہ عرض کیا کہ بنی اسرائیل میں بھی رمضان چاند کا مہینہ تھا، تفسیری روایات کے مطابق، اور وہ بھی سارے سال میں گھومتا تھا، انہوں نے ردوبدل کیا۔ اسلام نے واپس سابقہ پوزیشن بحال کر دی کہ روزے ہوں گے رمضان کے اور سارے سال میں اسی طرح گردش کریں گے، اور روزے کا دورانیہ کم کر دیا کہ روزے میں سے رات خارج کر دی، صبح طلوع فجر سے روزہ شروع ہو گا اور غروب آفتاب تک روزہ رہے گا، یہ اسلام نے دو اصلاحات کیں۔

مرد اور عورت کی مساوات

https://zahidrashdi.org/3492

جہاں تک عورتوں کے حقوق کی بات ہے، اسلام ان کا سب سے بڑا علمبردار ہے، لیکن وہ حقوق کے ساتھ ساتھ مرد اور عورت کے معاملات میں اور حقوق میں توازن اور بیلنس کی بات بھی کرتا ہے۔ اللہ رب العزت نے مرد اور عورت کو الگ الگ صلاحیتیں، نفسیات اور استعدادات عطا فرمائی ہیں۔ اسلام نے حقوق اور فرائض کی تقسیم فطری امور کو سامنے رکھ کر، دونوں کے فطری تقاضے، ضروریات، اور دونوں کی فطری صلاحیتوں کو سامنے رکھ کر کی ہے، اور وہی متوازن اور فطری تقسیم ہے جو اسلام کرتا ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو زندگی کا حق دلوایا، وراثت کا حق دلوایا، رائے کا حق دلوایا، علم کا حق دلوایا، معاشرے میں عزت اور احترام عطا کیا، اور عورت کو بطور ماں کے عزت و احترام، بطور بہن اور بیٹی کے شفقت، بطور بیوی کے محبت کے جذبات کی تلقین فرمائی۔ اور خود بھی اپنے عمل کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں اپنے خاندان میں اس کا عملی نمونہ پیش کیا۔

آج عورت کے حقوق کے نام پر، اور عورت اور مرد کی مساوات کے نام پر جو آواز اٹھائی جا رہی ہے، اور بالخصوص مذہبی اقدار کو، آسمانی تعلیمات کو، اور ان میں سے بھی خصوصًا اسلامی تعلیمات و احکام کو جو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے یہ غیر فطری بات ہے۔ عورت اور مرد کی مساوات مکمل طور پر ممکن ہی نہیں ہے اور نیچر کے بھی خلاف ہے۔ عورت اور مرد کی جسمانی ساخت الگ الگ ہے، نیچرل ڈیوٹیز الگ الگ ہیں، بہت سے معاملات ہیں جو مرد میں ہیں عورت میں نہیں ہیں، جو عورت میں ہیں مرد میں نہیں ہیں، عورت کی جسمانی ساخت مرد سے مختلف ہے، اس کی سائیکالوجی مرد سے مختلف ہے، اس کی قوت کار اور استعداد مرد سے مختلف ہے، لازمی بات ہے کہ فرق تو ہوگا۔ اس فرق کو ملحوظ رکھے بغیر کوئی بھی تقسیم کار یا مساوات اَن نیچرل غیر فطری بات ہے جس کی طرف دنیا کو بلایا جا رہا ہے۔ اور اس کا خمیازہ خود مغرب نے خاندانی نظام کی تباہی کی صورت میں، بکھرنے کی صورت میں خود مغرب بھگت رہا ہے۔ اور مغرب کے دانشور خاندانی نظام کی بحالی کے لیے چیخ و پکار کر رہے ہیں، لیکن وہ آسمانی تعلیمات کی طرف واپس آئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

آج بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ، خلفائے راشدینؓ اور اسلامی تعلیمات کو سامنے رکھ کر عورت کے حقوق کی بات کی جائے تو ہم اس کے سب سے زیادہ علمبردار ہیں، لیکن عورت اور مرد کی مساوات کے نام پر، عورت اور مرد کے حقوق کے نام پر جو غیر فطری اور غیر متوازن معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس پر نظر رکھنی چاہیے۔ اور بالخصوص پاکستان میں کہ پاکستان کی بنیاد اسلام پر ہے، دستور اسلامی تعلیمات اور اسلامی معاشرے کی ضمانت دیتا

ہے، اس لیے پاکستان میں ایسی سرگرمیوں کی اجازت نہیں ہونی چاہیے جو اسلامی تہذیب کو، اسلامی تمدن کو، مسلمانوں کی ثقافتی اقدار کو، اور دستور کے تحفظات کو، دستور کی گارنٹیز اور ضمانتوں کو متاثر کرتا ہو۔

میں گزارش کروں گا کہ عورت کی مظلومیت کی اور بہت سی صورتیں ہیں جو پاکستان میں رائج ہیں، لیکن ان ساری صورتوں کو نظر انداز کر کے ایک دو باتوں پر فوکس کر کے جو اوپن سوسائٹی اور فری سوسائٹی قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے یہ قابل قبول نہیں ہے، اس کا خیال کرنا چاہیے۔ اور عورتیں اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کر سکتی ہیں، عورتوں کے حقوق کے لیے مردوں کو بھی جدوجہد کرنی چاہیے اور عورتوں کو بھی کرنی چاہیے۔ دستور کے دائرے میں، جمہوریت اور قانون کے دائرے میں، تہذیبی اقدار اور ثقافتی روایات کے دائرے میں، اور اسلامی تعلیمات کے دائرے میں ہر ایسی کوشش کی حمایت کی جانی چاہیے۔ اور ہر اس کوشش کی جو ان دائروں کو متاثر کرتی ہو، اس کی نفی ضروری ہے۔ اور پاکستان کی سالمیت کا، اس کی نظریاتی شناخت کا، اور تہذیب و ثقافت کا، وہ تہذیب و ثقافت جس کی بنیاد پر مسلمانوں اور ہندوؤں کو الگ الگ قوم شمار کیا گیا تھا، اور سر سید احمد خان سے لے کر قائد اعظم مرحوم تک سب مسلم تہذیب کے تحفظ کے نام پر دو قومی نظریے کی بات کرتے آ رہے ہیں اور جس کی بنیاد پر پاکستان تشکیل پایا ہے، اس کی نفی کرنا یہ پاکستان کے مقصد کے بھی خلاف ہے، نظریے کی بھی خلاف ہے، دستور کے بھی خلاف ہے، اور پاکستانی مسلمانوں کے، پاکستانیوں کے جذبات و روایات کے بھی خلاف ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو صحیح رخ پر ملک و قوم کی اور قوم کے تمام طبقات کے حقوق کی حمایت اور حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔

مسلمانوں کی تین الگ تصویریں

https://zahidrashdi.org/3498

بہت اہم سوال ہے۔ کوئی آج سے بیس سال پہلے، برطانیہ کا شہر ہے لیسٹر، اس میں مسلمانوں

کا ادارہ ہے اسلامک فاؤنڈیشن، وہاں کی ایک تقریب تھی، پروفیسر خورشید صاحب کا ادارہ ہے وہ، ہمارے پروفیسر خورشید صاحب جو ہیں سینٹ کے۔ اس وقت وہاں کے، برٹش پارلیمنٹ کے ممبر تھے جم مارشل، وہ اس تقریب کے مہمان خصوصی تھے، علاقے کے ایم پی تھے، ممبر پارلیمنٹ تھے۔ اور مسلمانوں کی تقریب تھی، تقریب تھی بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کے حوالے سے، اس دور کی بات ہے یہ، جم مارشل نے تقریب میں ایک بات کہی، آپ کی بات کی تائید میں اس کو نقل کرنا چاہتا ہوں، اس نے کہا کہ دیکھو ہم مغرب والے، اسلام کی بات سننا چاہتے ہیں، اسلام کو اسٹڈی کرنا چاہتے ہیں، لیکن ہمارا ایک کنفیوژن دور کر دیں۔ وہی جو آپ نے ذکر کیا ہے، اس نے کہا کہ ہمارا کنفیوژن کیا ہے؟

۱. اس نے کہا کہ اسلام کی بات ہمارے بڑے جو نسلاً بعد نسلاً ہمیں بتاتے چلے آرہے ہیں، اسلام کی وہ تصویر بالکل الگ ہے، ہمیں جو نسلوں سے (بتایا جارہا ہے کہ) اسلام یہ ہے اسلام وہ ہے، وہ ایک الگ پکچر ہے۔

۲. ہم بہرحال پڑھے لکھے لوگ ہیں، ریسرچ کرتے ہیں، اسٹڈی کرتے ہیں، جب اوریجنل سورسز سے اسٹڈی کرتے ہیں تو اسلام کی جو تصویر ہمارے ذہنوں میں آتی ہے وہ اس (پہلی تصویر سے) مختلف ہے جو ہمارے بڑے بتاتے آرہے ہیں۔

۳. لیکن جب ہم موجودہ مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو ایک تیسری پکچر سامنے آجاتی ہے۔

ہمیں کوئی اور پکچر بتائی جاتی ہے، اسٹڈی کر کے کوئی اور پکچر بنتی ہے، اور مسلمانوں کو دیکھ کر ایک نئی پکچر بن جاتی ہے۔ یہ تین پکچرز ہیں۔ یہ کنفیوژن آپ ہمارا دور کر دیں، اسلام کی بات ہم سننے کیلئے تیار ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ دعوت (کا اسلوب) اس زمانے میں بھی (یہی رہا ہے)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی، اور صحابہؓ کے زمانے میں، اور تابعینؒ کے زمانے میں، اور حضرات صوفیاء کرامؒ کے زمانے میں بھی، دعوت میں الفاظ کم کام دیتے ہیں اور عمل زیادہ کام دیتا ہے۔ ہم

دعوت کا عمل نہیں بن رہے۔ لوگ ہمیں دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے، باتوں سے بھی متاثر ہوتے ہوں گے، لیکن زیادہ مسلمان ہوتے تھے ہمیں دیکھ کر کہ اچھے لوگ ہیں یار، ہمیں بھی (مسلمان ہونا چاہیے)۔ خدا کرے کہ ہم کوئی صورت پیدا کر سکیں، کوشش تو ہو رہی ہے کہ ہم ایک اچھا نمونہ بن سکیں، جس دن ہم عملی پکچر صحیح کر سکے اپنی دنیا کیلئے، دنیا اس وقت اسلام کی اور ہدایت کی تلاش میں ہے، رکاوٹ ہم ہیں، ہماری زبان نہیں، ہمارا عمل، کہ ہم وہ پکچر نہیں دکھا رہے ان کو کہ جس کو دیکھ کر وہ کہیں کہ اچھے لوگ ہیں، یہ کوشش کرنی چاہیے، اللہ کرے کہ ہم اس قابل ہو جائیں۔

جزیرۃ العرب کیا ہے؟

https://zahidrashdi.org/3502

حضرت صدیق اکبرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کے طور پر جب ریاست کا چارج لیا تو یمن، بحرین، نجران اور نجد سمیت پورا جزیرۃ العرب ریاست مدینہ میں شامل تھا۔

جزیرۃ العرب سے تعارف ہے کیا چیز ہے یہ؟ کبھی دنیا کا نقشہ دیکھا ہے؟ ایک جگہ ایسی ہے کہ تین طرف سمندر ہے اور درمیان میں زمینی پٹی ہے۔ تین طرف سمندر ہے اور درمیان میں ایک زمین کا ٹکڑا ہے، یہ جزیرۃ العرب ہے۔ جزیرۃ سمندر کے درمیان ہوتا ہے، یہ تین طرف سے سمندر کے درمیان ہے، چوتھی طرف خشکی ہے۔ اس میں یمن ہے، سعودیہ ہے، عرب امارات ہیں اور بحرین وغیرہ ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے ہیں تو ریاست کہاں قائم ہوئی؟ یثرب اور گرد و نواح کی ساحلی پٹی پر۔ لیکن دس سال میں یہ ریاست کتنے دائرے میں پھیل گئی؟ پورا جزیرۃ العرب اس کے اندر تھا۔

اسلام کے نعرے لگانے والوں کا حال

https://zahidrashdi.org/3506

ہمارا دینی مدارس کے طلباء کا، اسلام اسلام کا نعرہ لگانے والے کارکنوں کا، اور ایک بڑی تعداد میں اساتذہ کا بھی۔ ہمارا عام طور پر ذوق یہ ہو گیا ہے کہ جو باتیں ہم ان سے کہہ رہے ہوتے ہیں، حکمرانوں سے اور دوسرے گروپوں سے، ان کا خود ہمیں پتہ نہیں ہوتا۔ ان سے تو ہم اس لہجے میں بات کر رہے ہوتے ہیں کہ نہیں کیا تو شام تک تختہ الٹ دیں گے تمہارا۔ اور ہم سے کوئی پوچھے کہ پتہ ہے؟ تو جی وہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ یہ ہمارا عمومی مزاج ہے اور اس پر میں ایک لطیفہ سنایا کرتا ہوں۔ لطیفہ خان صاحب کا ہے، کوئی خان ناراض نہ ہو، میں خود خان ہوں، میرے نام کا حصہ ہے خان۔

ایک خان صاحب بازار میں جا رہے تھے، مشترکہ ماحول تھا۔ ایک ہندو گزرتا ہوا نظر آیا خان صاحب کو۔ خان صاحب کو غصہ چڑھ گیا، کافر کا بچہ کدھر جاتا ہے؟ پکڑ لیا۔ کافر کے بچے کلمہ پڑھتے ہو یا نہیں؟ کلمہ پڑھو۔ اس نے کہا یہ مارے گا، خان صاحب! پڑھتا ہوں، پڑھاؤ۔ کافر کا بچہ خود پڑھو، آتا مجھے بھی نہیں۔

ہمارا حال اسلام اسلام کہنے والوں کا، خلافتِ راشدہ کی بات کرنے والوں کا، اور ریاست مدینہ (کی بات کرنے والوں کا) ہمارا اپنا حال یہ ہے کہ کافر کا بچہ خود پڑھو، آتا مجھے بھی نہیں ہے۔

عالمِ غیب سمجھنے کیلئے ایک مثال

https://zahidrashdi.org/3505

ایک دوست نے سوال کیا کہ مولوی صاحب! کہتے ہیں فرشتے ہوتے ہیں۔ میں نے کہا ہوتے ہیں، میرے ساتھ بھی ہیں تمہارے ساتھ بھی ہیں۔ کہتے ہیں نظر نہیں آتے، محسوس نہیں ہوتے،

نہ ہوا کی طرح محسوس ہوتے ہیں، نہ سننے میں آتے ہیں، نہ دیکھنے میں آتے ہیں۔ اگر ہیں تو پھر کہیں تو محسوس ہوں، ہوا نظر نہیں آتی لیکن محسوس تو ہوتی ہے۔

میں نے کہا کہ بات سنو! یہ آج کل جو سسٹم ہے موبائل کا، آڈیو ویڈیو کا اور نیٹ کا۔ میں نے کہا میں اب یہاں بات کر رہا ہوں امریکہ والے سن رہے ہیں، امریکہ میں وہاں بات کر رہے ہیں میں سن رہا ہوں۔ یہ درمیان واسطہ کیا ہے، کیسے ہوتا ہے یہ؟

کہتے ہیں کہ لہریں ہیں۔

کدھر ہیں؟

ہوا میں۔

یہ آواز اور تصویر کو کونسی چیز منتقل کرتی ہے؟

لہریں۔ آناً فاناً۔ یہ لہروں کا اتصال ہے۔

میں نے پوچھا لہریں ہیں؟

کہا، ہاں۔

میں نے کہا، ورک بھی کرتی ہیں؟

ہاں۔

کنٹرول بھی ہو جاتی ہیں؟ فلاں علاقے کے فون جام کر دیے گئے، فلاں علاقے کا نیٹ معطل کر دیا گیا۔ میں نے کہا دکھا دو کدھر ہیں؟

بات سمجھ آئی کہ عالمِ غیب کیا ہے؟

شریعت میں سورج اور چاند کی گردش کا اعتبار

https://zahidrashdi.org/3495

ایک نظام دنیا میں سورج کی گردش کے حساب سے چلتا ہے، ایک چاند کی گردش کے حساب سے۔ سورج کی گردش والا سال "شمسی سال" کہلاتا ہے، جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی۔ اور

ایک "قمری سال" کہلاتا ہے محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی۔ ہماری عبادات میں، شرعی معاملات میں سورج کی گردش کا اعتبار بھی ہے اور چاند کی گردش کا اعتبار بھی ہے۔ ہمارے ہاں شریعت میں دنوں کا تعین چاند سے ہوتا ہے، اوقات کا تعین سورج سے ہوتا ہے۔

ہم جب ایام طے کرتے ہیں، یہ شب برأت ہے، یہ شب معراج ہے، یہ شب قدر ہے، یہ ایام بیض ہیں، اور یہ ایام حج ہیں۔ تو ایام جب طے کرتے ہیں کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے، یہ محرم کا مہینہ ہے، یہ عاشورہ ہے، ایام اور مہینے جب طے کرتے ہیں تو ان میں اعتبار ہوتا ہے چاند کا۔ لیکن جب اوقات طے کرتے ہیں تو ان میں اعتبار ہوتا ہے سورج کا۔

روزے کے دن کا تعین چاند سے کریں گے، یہ پہلا روزہ ہے، یہ ستائیسواں ہے، یہ انتیسواں ہے، اس کا تعلق چاند سے ہے۔ لیکن روزے کا وقت جو طے کریں گے تو اس کا تعلق سورج سے ہے۔ طلوع فجر، غروب آفتاب۔ طلوع فجر سورج کے طلوع سے پہلے ہوگی، اور غروب آفتاب سورج کا غروب ہے۔ ہمارے روزے کے دورانیہ کا تعین بھی سورج کی گردش سے ہے۔

حج کے ایام کا بھی یہی حال ہے۔ حج کے ایام طے کریں گے چاند سے، آج یوم الترویہ ہے، آج یوم الحج ہے، آج یوم الاضحیٰ ہے۔ لیکن حج کے اوقات اور اعمال کا تعین سورج سے ہے۔ رمی کس وقت کرنی ہے، مزدلفہ کب جانا ہے، عرفات سے کب آنا ہے۔

ہم نمازوں کے اوقات بھی سورج کی گردش سے طے کرتے ہیں۔ فجر کس وقت ہے، ظہر کس وقت ہے، عصر کس وقت ہے، مغرب کس وقت ہے، عشاء کس وقت ہے۔ ساری نمازوں کے اوقات کا تعلق سورج کی گردش سے ہے۔ سورج کے آگے آگے سورج کے پیچھے پیچھے۔ سورج کا دورانیہ بڑھ جائے گا تو نمازوں میں وقفہ زیادہ ہو جائے گا، سورج کا دورانیہ کم ہوگا تو نمازوں میں وقفہ کم ہو جائے گا۔

تو میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں یہ نہیں ہے کہ ہم سورج کی گردش کو نہیں مانتے، ہم تو روزمرہ اسی کو مانتے ہیں۔ ہمارے اعمال اور اوقات سورج کی گردش کے حساب سے چلتے ہیں، اور ایام اور مہینے چاند کی گردش کے اعتبار سے چلتے ہیں۔

البتہ چاند کا مہینہ چھوٹا ہے سورج کے مہینے سے، دس دن کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس میں بہت سی حکمتیں مفسرین بیان فرماتے ہیں۔ ایک حکمت یہ ہے۔ یعنی ایام کا تعلق چاند سے کرنے کی حکمتیں کیا ہیں، ایک حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ چاند کا مہینہ ہر تین سال کے بعد (سورج کا) مہینہ بدل لیتا ہے۔ پیچھے آتا رہتا ہے۔ اور (سورج کے) تینتیس سال میں چاند کا مہینہ چاروں موسموں میں، جہاں چار موسم ہوتے ہیں، گردش پوری کر لیتا ہے۔ اگر ایک مسلمان بالغ ہونے کے بعد طبعی عمر کو پہنچنے تک، یعنی اس کو تیس پینتیس سال مل جائیں، تو وہ سال کے ہر موسم کے روزے رکھ لیتا ہے۔ ٹھنڈے روزے بھی مل جاتے ہیں، گرم روزے بھی مل جاتے ہیں، لمبے روزے بھی مل جاتے ہیں، درمیانے بھی مل جاتے ہیں، چھوٹے بھی مل جاتے ہیں۔ گویا پورا سال روزے رکھے ہیں اس نے۔ ایک حکمت یہ بیان فرماتے ہیں۔

ضمناً ایک بات عرض کر دیتا ہوں۔ فقہاء مسئلہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ میں جب ہم حساب کرتے ہیں تو چاند کے حساب سے کرنی چاہیے۔ زکوٰۃ میں سال کب مکمل ہو گا، کب زکوٰۃ دینی ہے، اس کا حساب چاند کے مہینوں کے حساب سے کرنا چاہیے، شرعاً یہ ضروری ہے۔ ورنہ تینتیس سال میں ایک سال کی زکوٰۃ رہ جائے گی۔ اگر کوئی آدمی سالانہ زکوٰۃ جنوری فروری کے حساب سے دیتا ہے تو تینتیس سال کے بعد ایک سال کی زکوٰۃ رہ جائے گی، کیونکہ یہ (سورج کے سال) تینتیس ہوں گے اور وہ (چاند کے سال) چونتیس ہوں گے۔

سفر کی مسنون دعا

https://zahidrashdi.org/3483

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک یہ تھا کہ سفر کا آغاز بھی دعا سے کرتے تھے، سفر کا اختتام بھی دعا سے کرتے تھے۔ سفر کے آغاز پر بھی دو رکعت پڑھتے تھے، اور سفر سے واپسی پر بھی دو رکعت پڑھتے تھے۔ جاتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے درخواست کے لیے کہ یا اللہ سفر پر جا رہے ہیں مہربانیاں فرما، آسانیاں فرما۔ اور واپسی پر شکرانے کے لیے کہ یا اللہ سفر کر کے واپس آ

گئے ہیں، شکرانے کے نفل پڑھتے تھے، دعا کرتے تھے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو دعا فرماتے تھے، صحابہ کرامؓ یاد بھی کرتے تھے اور آگے تعلیم بھی دیتے تھے، اپنے بچوں کو، شاگردوں کو، آگے لوگوں کو تعلیم بھی دیتے تھے۔

علیؒ، یہ تابعی ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے شاگرد ہیں۔ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے ہمیں یہ دعا بطور تعلیم کے سکھائی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر تشریف لے جاتے، سفر پر روانہ ہونے کے لیے جب اونٹنی پر سوار ہوتے، اور اونٹنی بالکل تیار ہوتی سفر کے لیے، تو حضورؐ دعا کا آغاز تکبیر سے کرتے تھے۔ تین دفعہ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ یہ تین دفعہ اللہ اکبر کہہ کر پھر قرآن کریم کی وہ آیت دعا کے طور پر پڑھتے تھے۔

سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الیٰ ربنا لمنقلبون۔

اس کا ترجمہ یہ ہے، چونکہ اونٹنی پر سوار ہیں، اونٹ بہر حال انسان سے بڑا جانور ہے، طاقتور بھی ہے۔ انسان اس کو کنٹرول کرے، اپنی مرضی سے چلائے، یہ اللہ ہی کے حکم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ صلاحیت دی ہے کہ اونٹوں کی لمبی قطار ہوگی، سو اونٹ ایک دوسرے سے بندھے ہوئے چلے آرہے ہوں گے، اور سب کی نکیل ایک بچے کے ہاتھ میں ہوگی اور اونٹ اس بچے کے پیچھے پیچھے چل رہے ہوں گے۔ یہ اللہ کے حکم سے ہے، اللہ کے نظام سے ہے۔

سخر لنا ھذا جس نے یہ سواری ہمارے لیے مسخر کی۔

وما کنا لہ مقرنین ہم تو اس کو قابو میں کرنے والے نہیں تھے۔ اونٹ اگر اڑ جائے تو کسی کے قابو میں نہیں آتا، بڑا مشکل ہو جاتا ہے اسے کنٹرول کرنا۔

وانا الیٰ ربنا لمنقلبون ساتھ ہی یہ یاد دلا دیا کہ ایک سفر تو یہ ہے، اور ایک سفر وہ بھی ہے جس میں ہم اللہ کے حضور حاضر ہوں گے۔ یہ سفر تو پتہ نہیں دو دن کا ہے، تین دن کا ہے، چار دن کا ہے۔ یعنی ایک سفر ہمیں وہ بھی درپیش ہے کہ جب ہم اللہ کے دربار میں پیش ہوں گے جا کر، اللہ کی بارگاہ میں بلائے جائیں گے۔

یہ تو قرآن کریم کی آیتِ کریمہ ہے جو بطور دعا کے سفر کے آغاز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد پڑھتے تھے:

اللھم نسألک فی سفرنا ھذا البر والتقوٰی یا اللہ ہم اس سفر کا آغاز کر رہے ہیں، اس سفر کے دوران آپ سے ہماری دعا ہے کہ ہمیں برّ اور تقوٰی کی توفیق دے، ہمارا سفر نیکی کی حالت میں گزرے، تقوٰی کی حالت میں گزرے۔

ومن العمل ما ترضٰی اور سفر میں ایسے اعمال ہم کریں جس سے تو راضی ہو۔ ایسے اعمال کی توفیق دے جس سے آپ راضی ہوں۔

اللھم ھون علینا سفرنا ھذا یا اللہ اس سفر کو ہمارے لیے آسان کر دے۔ سفر کی مشکلات، مشقتیں ہمارے لیے آسان فرما دے۔

واطو عنا بعدہ اس کی لمبائی ہمارے لیے لپیٹ دے، کم کر دے، یعنی جلدی سفر ہو جائے۔

اللھم انت الصاحب فی السفر یا اللہ میں سفر پر جا رہا ہوں، سفر میں آپ ہی میرے ساتھی ہیں۔

والخلیفۃ فی الاھل گھر والوں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں، یہاں بھی آپ ہی میرے خلیفہ ہیں، آپ ہی ان کی حفاظت فرمائیں گے ہر قسم کی مشکل میں۔

اللھم انی اعوذ بک من وعثاءِ السفر یا اللہ سفر میں مشقتیں اور تکلیفیں ہوتی ہیں، ان سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ سفر کے فساد سے، سفر کی مصیبتوں سے، سفر کی مشقتوں سے میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

وکآبۃِ المنظر سفر میں کوئی تکلیف دہ منظر پیش نہ آئے، سفر میں کسی تکلیف دہ یا اذیتناک منظر سے میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

وسوء المنقلب فی المال والاھل اور اپنے گھر اور مال میں بری واپسی سے بھی پناہ مانگتا ہوں، کہ گھر آؤں تو حالت بدلی ہوئی ہو اور مال تباہ ہو چکا ہو اور گھر میں بربادی ہو۔ میں بری حالت میں آؤں یا گھر والے بری حالت میں ہوں، یا اللہ میں اس سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

یہ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا آغاز کرتے تھے اور سواری پر بیٹھتے

تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ اور جب سفر سے واپس آتے تھے تو پھر بھی یہی دعا پڑھتے تھے۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے، یا شہر میں داخل ہو کر یہ دعا پڑھتے تھے۔ اور ان جملوں کا اضافہ کرتے تھے واپسی کی دعا میں:

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون یا اللہ! ہم لوٹ کر آنے والے ہیں، اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں، اپنے رب کی ہی عبادت کرنے والے ہیں، اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔

چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے شاگردوں کو یہ دعا سکھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر جاتے اور سفر سے واپس آتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

حضور ﷺ نے ۹ ہجری کا حج کیوں ادا نہیں کیا؟

https://zahidrashdi.org/3522

ایک اور تبدیلی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج کے نظام میں کی وہ یہ تھی کہ اس سے پہلے کوئی پابندی نہیں تھی کہ کوئی بھی حج کے لیے آئے، کوئی موحد ہو، کوئی مشرک ہو، کوئی بت پرست ہو، کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو وہ آتے تھے۔ لیکن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ قرآن کریم نے اعلان فرما دیا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا۔

چنانچہ ایسا ہوا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد، فتح مکہ ہوا ہے ۸ ہجری میں، اس کے بعد پہلا حج ۹ ہجری کا آیا ہے۔ نبی کریمؐ نے وہ ۹ ہجری کا حج خود نہیں کیا، صحابہ کرامؓ کو بھیجا ہے۔

اور ۹ ہجری کے حج کو حضورؐ نے اصلاحات کے لیے، تبدیلیوں کے لیے، حج کے نظام کی تطہیر کے لیے، اور اگلے سال اپنے حج کی تیاری کے لیے ۹ ہجری کا حج حضورؐ نے استعمال کیا ہے۔ بہت سے اعلانات کروائے معاہدات کے بارے میں، بیت اللہ کے طواف کے بارے میں، مشرکوں

کے آئندہ نہ آنے کے بارے میں۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی امارت میں حج ادا ہوا، اور حضورؐ نے بہت سے اعلانات، اصلاحات، ترمیمات کا اعلان کیا، اور یہ بھی وہاں اعلان ہوا کہ اگلے سال جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج پر تشریف لائیں گے۔ تو گویا یوں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تشریف لے جانے سے پہلے حج کے پورے نظام کی تطہیر فرمائی اور پھر مسلمانوں کے لیے حج کو خالص کر کے اللہ کے لیے مسلمانوں کے لیے، تو پھر حضورؐ نے آخری حج کیا جس کو "حجۃ الوداع" کہتے ہیں۔

تو اس میں یہ تھا کہ پہلے سارے آتے تھے، نبی کریمؐ نے اعلان فرما دیا کہ اس سال کے بعد کوئی غیر مسلم حج کے لیے نہیں آئے گا، یہ حج اب صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص ہے، مسلمانوں کے دینی فرائض میں سے ہے اور مسلمانوں کی عبادت ہے، اور مسلمانوں کے لیے ہی یہ حج مخصوص رہے گا۔

جزیرۃ العرب سے بتوں کا خاتمہ

https://zahidrashdi.org/3521

جاہلیت کے دور میں حج کا جو تسلسل چلا آ رہا تھا اس میں حضورؐ نے کچھ اصلاحات فرمائیں۔ مثلاً پہلی تبدیلی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ مکہ مکرمہ، حرم پاک، اور بیت اللہ شریف، یہ فتح مکہ سے پہلے بتوں کی آماجگاہ تھے۔ وہاں سینکڑوں بت نصب تھے، مسجد حرام میں بھی، بیت اللہ کے اندر بھی، اور حرم کے ماحول میں بھی۔ لوگ بیت اللہ کا طواف بھی کرتے تھے، صفا و مروہ کی سعی بھی کرتے تھے، اور بتوں کے سامنے حاضری بھی دیتے تھے۔ حج کے دنوں میں دونوں کام ہوتے تھے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے نظام میں پہلی تطہیر یا پہلی اصلاح یہ کی کہ فتح مکہ کے بعد بت وہاں سے ہٹا لیے، بلکہ بت توڑ دیے صاف کر دیے، بیت اللہ کے اندر سے بھی، مسجد حرام سے بھی، حرم کی حدود سے بھی، بلکہ پورے جزیرۃ العرب میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

بتوں اور بت خانوں کو صاف کر دیا اور جزیرۃ العرب کو بت خانوں سے اور بتوں سے بالکل پاک کر دیا۔ تو یہ بڑی تبدیلی تھی کہ بیت اللہ کا اور حرم کا ماحول بتوں سے پاک ہوا، اور وہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ، اللہ کے گھر کی حاضری کے ساتھ جو بتوں کی شرکت ہوتی تھی وہ ختم ہو گئی اور خالص اللہ کے لیے حج ہو گیا۔

اسی طرح حرم کی حدود میں وہاں بت پرستی کے ساتھ ساتھ مذہبی حوالے سے جوا اور لاٹری کا سسٹم بھی جاری تھا۔ مختلف پہلوؤں سے وہاں بتوں کے ذریعے، بتوں کی موجودگی میں ان کے سائے میں لاٹری کھیلتے تھے، جوا کھیلتے تھے، اس کی مختلف شکلیں احادیث میں تاریخ میں مذکور ہیں۔

حتیٰ کہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیت اللہ کے بت توڑے تو بیت اللہ سے جو بت نکالے گئے تھے ان میں ایک بت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بھی تھا، اور بت اس طریقے سے بنائے گئے تھے کہ ان کے ہاتھوں میں تیر پکڑائے گئے تھے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا قاتلهم الله اللہ ان کا بیڑا غرق کرے، مشرکین نے ان بزرگوں کے ہاتھ میں بھی لاٹری کے تیر پکڑا دیے، حالانکہ ان کو پتہ تھا کہ ان بزرگوں نے کبھی زندگی میں لاٹری نہیں کھیلی، کبھی جوا نہیں کھیلا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح بتوں کو وہاں سے صاف کیا، اسی طرح یہ لاٹری، جوا اور یہ تیر نکالنا جوے کے اور ازلام وغیرہ یہ حضورؐ نے وہاں سے ختم فرمائے۔

صفا و مروہ کی سعی اور عرفات کا وقوف

https://zahidrashdi.org/3524

صفا و مروہ کی سعی

حج کے نظام میں ایک اور اصلاح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، قرآن کریم نے

اس کا اظہار کیا، حضورؐ نے اس کا نفاذ کیا۔ وہ یہ تھا کہ جاہلیت کے زمانے میں حج کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ طواف تو سارے کرتے تھے بیت اللہ کا، اس کے بعد صفا مروہ کی سعی ہوتی ہے، یہ صفا مروہ کی سعی سارے لوگ نہیں کرتے تھے۔ صفا مرہ کی سعی قریشی کرتے تھے اور قریش کے کچھ حلیف قبائل کرتے تھے، اور اس کا ذکر بھی تاریخ میں آتا ہے کہ اس کی وجہ کیا تھی۔

بعض حضرات تو یہ کہتے تھے کہ صفا مروہ کی سعی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی یاد میں ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ، جب وہ اپنے معصوم بچے اسماعیلؑ کے لیے پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑی تھیں، ان کی یاد ہے۔ تو بعض حضرات کا کہنا یہ تھا کہ قریش کی ماں تھیں، قریش دوڑیں، باقیوں کو دوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟

بعض یہ کہتے تھے کہ یہ جاہلیت کی بات ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں ہیں، انصارِ مدینہ کے دو قبیلوں میں، جو صفا مروہ کی سعی کو جاہلیت کی بات کہتے تھے، کہ یہ کیا جاہلیت کی بات ہے کہ ماں ایک دفعہ دوڑی تھی تو قیامت تک دوڑتے ہی رہو۔ تو یہ دو وجہیں باعث تھیں کہ بہت سے قبائل صفا مروہ کی سعی نہیں کیا کرتے تھے۔ انصار مدینہ کے دونوں قبیلے بھی ان میں سے تھے، اوس اور خزرج دونوں۔ انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم بھی ان لوگوں میں سے تھے جو صفا مروہ کی سعی نہیں کرتے تھے اور صفا مروہ کی سعی کو گناہ سمجھتے تھے حرج سمجھتے تھے کہ یہ جاہلیت کی بات ہے۔

ہوا یوں کہ فتح مکہ کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے بت خانے صاف کر دیے، بت توڑ دیے، لیکن صفا مروہ تو کھڑے ہیں، تو اب ۹ ہجری کا جو حج تھا، اس میں یہ الجھن پیش آئی غیر قریش کو، جو قریش کے علاوہ قبائل صفا مروہ کی سعی نہیں کیا کرتے تھے اور وہ جاتے تھے اپنے اپنے بت خانوں میں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارا بت خانہ تھا مناۃ، قدید کے مقام پر، ہم بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد قدید میں اپنے بت کے دربار میں چلے جاتے تھے اور وہاں حاضری لگاتے تھے، ہماری وہی سعی ہوتی تھی۔ لیکن جب حضورؐ نے وہ صاف کر دیا، ختم کر دیا اس کو، تو ہمیں یہ الجھن پیش آئی کہ اب ہم کیا کریں گے؟ قریشی تو طواف کریں گے اور صفا مروہ کی سعی بھی

کریں گے، لیکن ہم کیا کریں گے، ہمارا مناۃ تو صاف ہو گیا ہے وہاں تو کوئی چیز نہیں ہے حضورؐ نے ختم کر دیا ہے۔

انصار مدینہ نے اپنی اس الجھن کا ذکر کیا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے، تو اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اس کی وضاحت فرمائی۔ یہ فرمایا ان الصفا والمروۃ من شعآئر اللہ فمن حج البیت اواعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما پہلے تو یہ بات واضح کی کہ حضرت ہاجرہؑ کا واقعہ ہوا ہے لیکن صفا مروہ دراصل خود شعائر اللہ میں سے ہیں۔ صرف وہ وجہ نہیں ہے کہ وہ دوڑی تھیں تو سب دوڑیں، جس طرح بیت اللہ شعائر اللہ میں سے ہے، صفا مروہ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ قرآن کریم نے پہلے ذہن صاف کیا اور پھر کہا کہ جو حج کرے یا عمرہ کرے، وہ جو حرج سمجھتے تھے گناہ سمجھتے تھے، کہا کہ کوئی حرج کی بات نہیں ان کی سعی بھی کرو۔ تو یہ صفا مروہ مستقلاً حج کے مناسک میں شامل ہوئے، یہ اس سے پہلے سب لوگوں کے لیے نہیں تھا۔ یہ ایک بڑی تبدیلی آئی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحات سے۔

عرفات کا وقوف

ایک اور بڑی تبدیلی ہوئی، وہ یہ کہ حج کا سب سے بڑا رکن تو عرفات کا وقوف ہے۔ ۹ ذی الحج کو صبح منیٰ سے چلنا اور مغرب تک عرفات میں رہنا اور وہاں سے پھر مزدلفہ واپس انا، اس وقوف میں خطبہ بھی ہے، اس وقوف میں نمازیں بھی ہیں، لیکن اصلاً وہ وقوف ہے کہ وہاں وہ وقت عرفات کے میدان میں گزارا جائے اور ذکر اذکار، نماز، درود شریف، تکبیر، تلبیہ، جو بھی اپنے ذوق کے مطابق کریں۔ لیکن اصل رکن ہے عرفات کا وقوف کہ ۹ ذی الحج کا دن، اس کا بڑا حصہ عرفات میں گزارنا۔

قریش کے لوگ عرفات میں نہیں جاتے تھے، ان کا وہی دعویٰ تھا نحن حمس ہم بڑے لوگ ہیں، میں اس کا ترجمہ کیا کرتا ہوں وی آئی پی ہیں ہمارے لیے عرفات کی حاضری ضروری نہیں ہے۔ وہ حرم کی حدود میں رہتے تھے۔ حرم کی حدود جس میں منیٰ کا بھی کچھ حصہ ہے اور کچھ حصہ مزدلفہ کا بھی ہے، حرم کی حدود سے باہر نہیں جاتے تھے کہ ہمارے لیے حرم کی حدود سے باہر جانا نہیں ہے، عرفات تک وہ لوگ جائیں جو غیر قریشی ہیں باہر سے آئے ہیں۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بخاری کی روایت ہے، کہتے ہیں، یہ اسی علاقے میں رہتے تھے، طائف کے راستے میں۔ انہی کے والد مطعم بن عدی نے، طائف سے جب حضورؐ واپس تشریف لائے تھے جب حضورؐ پر پتھراؤ ہوا تھا تو مطعم بن عدی نے ہی راستے میں پناہ دی تھی، اسی علاقے میں رہتے تھے یہ۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے اونٹ گم ہو گئے تھے، میں اونٹوں کی تلاش میں عرفات تک آیا تو لوگ حج کر رہے تھے، ایک خیمہ میں نے دیکھا تو لوگوں سے پوچھا یہ خیمہ کس کا ہے؟ انہوں نے کہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ میں نے کہا وہ یہاں کیا کر رہے ہیں وہ تو قریشی ہیں، مجھے بڑا تعجب ہوا کہ قریشی اور ہاشمی یہ بزرگ یہاں عرفات میں کیا کر رہے ہیں۔ ان کا مقام تو حرم کے اندر تھا یہ تو باہر نہیں آتے تھے، لیکن کہا گیا کہ حضورؐ تشریف لائے ہوئے ہیں۔

اور قرآن کریم نے حکم دیا، یہ جاہلیت کے زمانے کی جو امتیازی رسم تھی قرآن کریم نے توڑی اور قریش کو حکم دیا ثم افیضوا من حیث افاض الناس واستغفروا اللہ تم بھی وہاں وقوف کرو جہاں لوگ وقوف کرتے ہیں، عرفات میں جاؤ جیسے باقی لوگ جاتے ہیں۔ یعنی دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ اللہ رب العزت نے اس حوالے سے بھی یہ اونچ نیچ کا اور برتری کا تصور اور وی آئی پی سسٹم یہ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی ختم کیا، لباس میں بھی ختم کیا اور عرفات کی حاضری میں بھی اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا کہ وہیں جاؤ تم بھی جہاں باقی جاتے ہیں۔

چنانچہ خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قریشی، ہاشمی، خود تشریف لے گئے اور سارے صحابہ کرامؓ نے عرفات میں وقوف کر کے حج ادا کیا۔ ایک بڑی تبدیلی یہ بھی تھی۔

ننگے طواف کی رسم کا خاتمہ

https://zahidrashdi.org/3523

ایک اور بات جو کی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جاہلیت کے رواج میں اور جاہلیت کے حج کے سسٹم میں جو تبدیلی کی، وہ یہ تھی کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ حج کے لیے آتے تھے، بہت سے عرب قبائل حج کے لیے آتے تھے تو ان کے لوگ ننگے طواف کرتے تھے، مرد بھی ننگے

ہوتے تھے، عورتیں بھی ننگی ہوتی تھیں۔ مرد تو بالکل عریاں ہوتے تھے، لباس کا کوئی دھاگہ بھی ان کے جسم پر نہیں ہوتا تھا، اور عورتیں پہلوانوں والی ایک لنگوٹی سی باندھے ہوتی تھیں۔ اور ان کا فلسفہ یہ تھا کہ جب ہم پیدا ہوئے تھے اللہ کے طرف سے آئے تھے تو ننگے آئے تھے، اللہ کے گھر حاضری دیں گے تو ننگے حاضری دیں گے۔ اس زمانے میں رواج یہ بن گیا تھا کہ قریشیوں میں سے اگر کوئی، قریشی "حمس" کہلاتے تھے، برتر بزرگ قسم کا قبیلہ کہلاتا تھا، آج کل کہہ لیں جیسے وی آئی پی کہلاتے تھے، تو قریش کے قبیلے میں سے کوئی آدمی کسی آنے والے کو چادر دے دیتا کوئی لباس دے دیتا تو وہ لباس تبرک سمجھ کر پہنتے تھے۔ لیکن اگر کوئی قریشی کسی عورت کو کسی مرد کو لباس نہ دیتے تو ننگے ہی طواف کرتے تھے اور یہ سلسلہ جاری تھا۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمادی اور حج کا لباس متعیّن کر دیا کہ مرد دو چادروں میں آئیں گے اور عورتیں مکمل لباس میں آئیں گی، چنانچہ آج تک یہی صورتحال ہے۔

یہ بھی حج کے نظام کی ایک بڑی خوبی ہے اور اس کا بڑا امتیاز ہے کہ کوئی بادشاہ ہے تو دو چادریں ہیں، کوئی مزدور ہے تو دو چادریں ہیں، کوئی مالک ہے تو دو چادریں ہیں، کوئی نوکر اور خادم ہے تو دو چادریں ہیں، کوئی پیر ہے تو دو چادریں ہیں، مرید ہے تو دو چادریں ہیں۔ پورے عرفات کے میدان میں ایسا عجیب منظر نظر آتا ہے کہ لاکھوں لوگ ہیں ایک ہی لباس میں، بالکل ایسے کہ کوئی امتیاز نہیں ہے، کوئی فرق نہیں ہے، کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ آدمی دنیا کے اعتبار سے کس لیول کا ہے اور کس گریڈ کا ہے، وہاں سب برابر ہیں۔

حج کے موقع پر مدینہ منورہ حاضری

https://zahidrashdi.org/3525

حج کا ایک حصہ اور بھی ہے، وہ اگرچہ مناسک کا حصہ نہیں ہے لیکن حج کے سفر کے تقاضوں میں سے ہے۔ حج کے سارے مناسک تو مکہ میں ہیں، لیکن یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے، بلکہ ایک روایت کا مفہوم بھی یہ ہے کہ جو بیت اللہ کے لیے آئے وہ مجھ سے ملنے کے لیے

بھی آئے میرے پاس بھی ہے۔ ایک مسلمان کے لیے ویسے بھی اس کا تصور نہیں ہے کہ بیت اللہ میں جائے اور حضورؐ کی مسجد میں حاضری دیے بغیر واپس آجائے۔ حج کے شرعی اور باضابطہ مناسک میں سے تو نہیں، لیکن حج کے تقاضوں میں سے ایک یہ بات بھی ضروری سمجھی جاتی ہے، اور ہے بھی، کہ حج کے لیے آدمی جائے تو حج سے پہلے یا حج کے بعد مدینہ منورہ حاضری دے، مسجد نبویؐ میں نمازیں ادا کرے، بڑے ثواب کی بات ہے۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضری، صلوٰۃ وسلام، یہ بھی حج کے تقاضوں میں سے ہے اور حج کے آداب میں سے ہے۔ یہ بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو یہ سعادت دیں اپنے گھر کی حاضری کی اور جناب نبی کریمؐ کے روضۂ اطہر کی حاضری کی، مسجد نبویؐ کی حاضری کی۔ اللھم صل علیٰ سیدنا محمد النبی الامیّ واٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حج قبول ہونے کی علامت

https://zahidrashdi.org/3482

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اعمال کے حوالے سے بتایا کہ یہ اعمال انسان کے گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں۔ وضو ہے، نماز ہے، روزہ ہے، حج ہے۔ یہ اعمال انسان کے گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں۔ لیکن وہیں محدثین یہ وضاحت بھی فرماتے ہیں کہ جن گناہوں کا یہ کفارہ بنتے ہیں ان میں فرائض، واجبات اور حقوق شامل نہیں ہیں۔

- فرائض اور واجبات، اُن کی قضا ہے۔
- اور لوگوں کے حقوق، اُن کی ادائیگی ہے۔

باقی اللہ تعالیٰ کوئی گناہ وضو کی برکت سے معاف کر دیتے ہیں، کوئی نماز کی برکت سے معاف کر دیتے ہیں، کوئی عمرہ کی برکت سے معاف کر دیتے ہیں، کوئی حج کی برکت سے معاف کر دیتے ہیں۔

والحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ جو حج مقبول ہو جائے اس کا بدلہ جنت کے سوا کوئی نہیں ہے۔ یہ حج مبرور کیا ہے؟

فقہاءؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ حج مبرور یہ ہے کہ نیت صحیح ہو، اور فرائض، واجبات، آداب، ارکان وغیرہ تسلی سے، اطمینان سے ادا کرے۔

جبکہ صوفیاء کرامؒ فرماتے ہیں، حج مبرور کیا ہے؟ کہتے ہیں حج قبول ہوا ہے یا نہیں، اس کی علامت بتاتے ہیں کہ اگر حج سے زندگی بدلی ہے تو یہ علامت ہے قبول ہونے کی۔ اگر زندگی نہیں بدلی تو نہیں قبول ہوا۔ سادہ سی بات ہے۔ حج کے بعد والی زندگی پہلے کی زندگی سے اچھی ہو گئی ہے، نماز، روزہ، حلال، حرام، جائز، ناجائز، حقوق، معاملات اگر بہتر ہو گئے ہیں تو یہ علامت ہے کہ حج قبول ہو گیا ہے۔ اور اگر پہلے سے بھی معاملہ بگڑ گیا ہے تو پھر کام خراب ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں، آمین۔

جدید دور کا اسلوب اور علماء کرام

https://zahidrashdi.org/3589

ہمارا ابھی تک لوگوں سے گفتگو کا اسلوب پرانا ہے، مناظرے کا ہے، اور یہ دور اب نہیں رہا۔ ہم اپنے طلباء کو مناظرہ سکھاتے ہیں، مناظرے کا دور نہیں ہے، یہ بریفنگ کا دور ہے، اسلوب بدل گیا ہے۔ ہمارے ماحول میں آج کی ضرورت یہ ہے کہ جتنی سادہ بات آپ کر سکیں گے، جتنے فطری لہجے میں آپ بات کر سکیں گے، یہ ہم اپنے طلباء کو نہیں سکھا رہے۔ میں جو کمی محسوس کرتا ہوں اپنے حلقے میں، ہمارا جو طالب علم فارغ ہوتا ہے، دینی مدرسے سے فاضل ہو کر باہر جاتا ہے، وہ ایک امام تو صحیح ہوتا ہے، اور مدرس بھی قرآن کریم کا اپنے ماحول میں ہوتا ہے، داعی نہیں ہوتا، اور کمیونٹی رہنما جسے کہتے ہیں وہ نہیں ہوتا، اردگرد کے ماحول سے اسے شناسائی نہیں ہوتی، واقفیت نہیں ہوتی، اور ہم سکھاتے بھی نہیں ہیں اور ذوق بھی پیدا نہیں کرتے۔

بہرحال میں یہی بات عرض کرنا چاہوں گا کہ میرے نزدیک ایک طالب علم کے طور پر جو اصل خلا ہے وہ یہ ہے کہ ہم آج کے تقاضوں سے ہم آہنگی نہیں پیدا کر رہے۔ اور ہمارے ذہن میں یہ بات بسی ہوئی ہے کہ ہمارے بزرگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا، ہم اس طریقے پر ڈٹے ہوئے

ہیں۔ حالانکہ بزرگوں نے ایک تو تھا کہ طریقہ اختیار کیا تھا، مثلاً نصاب بنایا تھا یا سسٹم بنایا تھا، لیکن بزرگوں کی ایک سنت یہ بھی تھی کہ پہلے بزرگوں کے دائرے میں رہ کر انہوں نے بھی نیا ایک نصاب اور نیا (نظام بنایا تھا)۔ میں دوستوں سے عرض کیا کرتا ہوں کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، کہتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ نے تجدید کی ہے۔ ٹھیک ہے۔ تو شاہ صاحبؒ کی تجدید کا یہ پہلو پہلا ہے کہ انہوں نے پہلے ذخیرے پر قناعت نہیں کی، اس کو آگے بڑھایا ہے۔ یہ پہلو بھی قابلِ توجہ ہے اور آج کے اہلِ علم کو آج کے حالات سامنے رکھتے ہوئے کہ آج جدید مسائل ہیں۔

میں ایک مثال دوں گا، ہمارے ایک دوست ہیں ڈاکٹر فرحان نظامی، انہوں نے اپنا ایک واقعہ سنایا، میں یہاں وہ ذکر کرنا چاہوں گا۔ ڈاکٹر فرحان نظامی لکھنو کے ہیں اور ہمارے برصغیر کے ممتاز دانشوروں میں ہیں، آکسفورڈ میں ان کا سنٹر ہے، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں سنٹر تھا۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ مجھے ایک دفعہ کسی یونیورسٹی کی طرف سے لیکچر کی دعوت ملی کہ سود پر اسلام کا موقف کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ لیکچر دیں اور ہمیں بتائیں کہ سود کے بارے میں اسلام کا موقف کیا ہے۔ مغربی یونیورسٹی تھی۔ اب ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ میں سوچتا رہا کہ میں نے کیا کہنا ہے۔

اس کا ایک تو روایتی طریقہ ہے کہ اسلام کا موقف بیان کرنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے قرآن کریم کی آیات کا حوالہ دینا ہوگا، پھر احادیث پیش کرنا ہوں گی، پھر صحابہ کرامؓ کے اقوال آئیں گے، پھر آئمہ اربعہ کہ حنفی مذہبی یہ کہتا ہے، مالکی یہ کہتا ہے، پھر زیادہ سے زیادہ غزالیؒ تک آجائیں گے، ابن رشدؒ کی بات کر دیں گے، شاہ ولی اللہؒ کی بات کر دیں گے۔ حوالے دے کر کہ ہمارے آئمہ یہ کہتے ہیں، صحابہ کرامؓ یہ کہتے ہیں، قرآن یہ کہتا ہے، یہ ہمارا موقف ہے۔ ایک طریقہ جو روایتی ہے وہ یہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ میں تو اپنے آپ کو تسلی دے لوں گا کہ میں نے اپنا موقف بیان کر دیا ہے، یہ نہیں سمجھ پائیں گے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میں اپنا میسج نہیں کنوے (Convey) کر سکوں گا۔ موقف بیان کر دوں گا، میسج کنوے نہیں ہوگا۔ ان کی فریکونسی اور ہے، میں کسی اور فریکونسی سے

بات کر رہا ہوں گا۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں میں نے سوچا اور ایک نئی تکنیک اختیار کی۔ میں نے یہ اسٹڈی کیا کہ جو آج کی جدید ترین تحقیق ہے سود پر کہ سود نے معیشت میں کیا کیا نقصانات دیے ہیں۔ عالمی معیشت میں، لوکل معیشت میں، سود کے نقصانات کا پہلو زیادہ ہے یا فوائد کا پہلو زیادہ ہے۔

اور اس پر تو آج کے ماہرین معیشت متفق ہیں کہ اثمهما اكبر من نفعهما سود کا نقصان سود کے نفع سے زیادہ ہے۔ نفع محدود ہے، نقصان اس کا پورے عالم میں ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے اس کو اسٹڈی کیا جو آج کے ماہرین نے سود پر بات کی اور اس کے نقصانات گنوائے کہ یہ نقصان ہے یہ نقصان ہے، وہ سارا اسٹڈی کر کے میں نے ایک پیپر تیار کیا۔ اور ساری بحث کر کے کہ سود کے بارے میں آج کی جدید ترین تحقیق اور ریسرچ یہ کہتی ہے کہ اس کا انسانی سوسائٹی کو فائدہ نہیں ہے، نقصان ہے، اور یہ یہ نقصانات ہیں، اور اب وہ واپسی کی بات سوچ رہے ہیں کہ کس طریقے سے ہو۔

"تعمیر حیات" میں ایک دفعہ میں نے پڑھا تھا کہ ورلڈ بینک کے کسی سابق چیئرمین کا ایک انٹرویو چھپا تھا، اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ سود کے مسئلے کا اصل حل یہ ہے کہ شرح سود کم سے کم کی جائے۔ سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ جناب کم سے کم کی حد کیا ہے؟ تو اس نے کہا زیرو۔ یہ میں نے "تعمیر حیات" میں پڑھا تھا، اس کو کہیں نقل بھی کیا تھا۔

تو ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ میں نے یہ ساری اسٹڈی کر کے جدید ریسرچ کو ایک پیپر لایا، اور میں نے آخر میں قرآن کریم کی دو آیات کا حوالہ دیا کہ يمحق الله الربوٰا ويربى الصدقات اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کوٹ کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں اپنا میسج کنوے کرنے میں کامیاب ہوا، لوگ سمجھے کہ اسلام کا موقف کیا ہے۔

بس میرا عرض کرنے کا مقصد یہی ہے کہ آج کے جو تقاضے ہیں، آج کا جو جدید اسلوب ہے، آج کی جو تکنیک ہے، وسائل ذرائع کی بات بھی ہے، تو جب تک ہم بطور داعی کے دنیا کو اسلام کا پیغام دینے کے لیے ان ضروریات کا لحاظ نہیں کریں گے، شاید ہم اپنی بات پوری نہ کر سکیں۔ اور

یہ مجھے جو محسوس ہوتا ہے کہ سب سے بڑا خلا ہے جس کو ہمیں اپنے اداروں میں پورا کرنا چاہیے اور اس کے لیے جو بھی ذرائع ممکن ہوں اختیار کرنے چاہئیں، اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

اسلام کا ریاست کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

https://zahidrashdi.org/3588

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ محترم حضرت پیر سید کفیل شاہ صاحب بخاری، حضرات علماء کرام، محترم بزرگو، دوستو، بھائیو، ساتھیو! مجلس احرارِ اسلام کا شکر گزار ہوں کہ ہمیشہ کی طرح آج پھر اپنی اس بارونق محفل میں یاد کیا اور آپ حضرات سے ملاقات کا شرف بھی بخشا اور کچھ کہنے سننے کا موقع بھی عطا فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس محفل کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، کچھ مقصد کی باتیں کہنے سننے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو بات بھی دینِ حق کی علم میں آئے سمجھ میں آئے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق سے بھی نوازیں۔

ایک عام موضوع پر جو آج دنیا میں اور ہمارے ملک میں بہت گہرائی میں اس پر بحث ہو رہی ہے اور ہمیں بھی اس بحث میں الجھایا جا رہا ہے، اس پر آج کچھ کہنے کو جی چاہتا ہے۔ اسلام کا ریاست سے کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ کیا خیال ہے؟ ریاست کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ پاکستان کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ اور اسلام کا پاکستان کے ساتھ کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ یہ موضوع مختلف فورموں پر چل رہا ہے، اہلِ دانش میں بھی چل رہا ہے، اہلِ حکومت میں بھی چل رہا ہے۔

ایک طرف ہماری عدالت عظمیٰ میں، سپریم کورٹ آف پاکستان میں ایک رٹ چل رہی ہے، میں اس رٹ کے حوالے سے تو کچھ نہیں کہوں گا کہ عدالت میں زیر بحث مقدمہ ہے اکیسویں آئینی ترمیم کے خلاف، وہ رٹ کیا ہے؟ اس کی تفصیل کیا ہے؟ میں اس میں نہیں جاؤں گا۔ اس کے صرف ایک پہلو پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔

سپریم کورٹ کے ایک محترم جسٹس صاحب نے ایک جملہ کہا تھا آج سے چند روز پہلے، کہ

ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ پارلیمنٹ کو دستور کے بنیادی ڈھانچے کے خلاف کوئی قانون بنانے کا حق ہے یا نہیں ہے۔ آپ نے پڑھا ہوگا۔ پارلیمنٹ کو قانون سازی کا اختیار ہے۔ لیکن مطلق اختیار ہے؟ کسی قانون سازی میں بنیادی ڈھانچے کو پارلیمنٹ کراس کر سکتی ہے؟ کہا کہ ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا، جج صاحب نے ریمارکس دیے۔

اس کے بعد ان رٹوں پر حکومت کی طرف سے جو جواب دیا گیا ہے، محترم اٹارنی جنرل پیش ہوئے ہیں، انہوں نے باقاعدہ تحریری جواب حکومت پاکستان کی طرف سے دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ پاکستان کے دستور کا تو کوئی بنیادی ڈھانچہ ہے ہی نہیں۔ بات ہی ختم کر دی۔ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری۔

انہوں (جج صاحب) نے کہا کہ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ پارلیمنٹ کو دستور کے بنیادی ڈھانچے کے خلاف قانون سازی کا حق ہے یا نہیں ہے، تو ہمارے اٹارنی جنرل صاحب نے، حکومتِ پاکستان نے یہ لکھ کر دے دیا کہ پاکستان کے دستور کا کوئی بنیادی ڈھانچہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ وہاں تو جواب دے دیا، لیکن میں عرض کرنا چاہ رہا ہوں کہ یہ سوال تو اب ہم آپ سے پوچھیں گے، ملک بھر میں پوچھیں گے اور ہر فورم پر پوچھیں گے کہ پاکستان کے دستور کا اگر بنیادی ڈھانچہ نہیں ہے تو پاکستان کی کوئی بنیاد ہے پھر؟ ایک طرف یہ بحث ہے۔

دوسری طرف بہت سے اہلِ دانش اس بات پر دلائل دے رہے ہیں کہ اسلام کا ریاست کے ساتھ کوئی تعلق ہے یا نہیں، اور ریاست کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق ہے یا نہیں، اس پر بات چل رہی ہے، آپ اخبارات میں پڑھ رہے ہیں۔

میں دونوں باتوں کو سامنے رکھ کر آج یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اسلام میں ریاست کا تصور کیا ہے؟ اور ریاست میں اسلام کا تصور کیا ہے؟ ریاست کیا ہے؟ اسلام کیا ہے؟ ریاست کا اسلام کے ساتھ تعلق کیا ہے؟ اور اسلام کا پاکستان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس پر گفتگو کے بہت سے پہلو ہیں لیکن میں شروع کروں گا اس پہلو سے جس کا تعلق ہماری آج کی اس کانفرنس کے عمومی موضوع سے بھی ہے۔

آج کی یہ کانفرنس شہدائے ختم نبوت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد گرامی میں ریاست کا ذکر کرتے ہوئے حکومت کا ذکر کرتے ہوئے اس کا تعلق ختم نبوت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حضورؐ نے ختم نبوت کے ساتھ، اس عقیدے کے ساتھ ریاست و حکومت کا تصور بیان کیا ہے، اس لیے میں یہاں سے آغاز کروں گا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختمِ نبوت کے حوالے سے خلافت، حکومت اور ریاست کا کیا تصور پیش کیا ہے اور اس کی بنیاد کس چیز پر ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ماضی کا قصہ بیان کرتے ہوئے کانت بنی اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی پس منظر بیان کیا کہ بنی اسرائیل میں سیاسی قیادت، حکمرانی پیغمبر کرتے تھے، ایک نبی چلا جاتا تو دوسرا نبی آجاتا۔ اس کی ایک چھوٹی سی جھلک عرض کرنا چاہوں گا۔ یوسف علیہ السلام پیغمبر تھے۔ حکمران بھی تھے یا نہیں؟ یوسف علیہ السلام نے نبوت کی ہے، حکومت بھی کی ہے یا نہیں؟ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے پیغمبر تھے، کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی، گئے تھے آگ لینے کیلئے، اور لے کر آئے نبوت۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت دے کر کس کے پاس بھیجا؟ فرعون کے پاس۔ موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تو درخواست کی کہ یا اللہ! میں اکیلا ہوں بھائی بھی ساتھ لگا دے۔ اکیلا ہوں، بڑی طاقتور حکومت ہے، بڑے جابر ہیں، بھائی کو بھی ساتھ لگا دے۔ اللہ نے سن لی کہ دونوں بھائی جاؤ اذھبا الیٰ فرعون انہ طغٰی فرعون کے پاس جاؤ سرکش ہو گیا ہے، اور اس کو دو پیغام دینے ہیں:

ایک پیغام یہ ہے کہ اللہ کی سرکشی سے باز آجاؤ، اللہ کے سامنے جھک جاؤ۔

اور دوسرا پیغام کیا ہے؟ ان ارسل معنٰی بنی اسرائیل ہم اپنی قوم کی آزادی کے لیے آئے ہیں، ہماری قوم کو غلامی سے آزادی دے دو۔ ان ارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم ہماری قوم کو تم نے غلامی کے عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے، ہم اپنی قوم کو غلامی کے عذاب سے نجات دلانے کے لیے اور آزادی دلانے کے لیے آئے ہیں، اور نبوت ہمیں اس مقصد کے لیے ملی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام پیغمبر بھی تھے اور تحریکِ آزادی کے قائد بھی تھے یا نہیں؟ تحریکِ آزادی کی قیادت کی ہے یا نہیں دونوں بھائیوں نے؟ اور قوم کو آزادی دلوائی یا نہیں؟

بڑا دلچسپ مکالمہ ہے، موسیٰ علیہ السلام آئے اور فرعون کو آکر پیغام دیا۔ فرعون تو فرعون ہوتا ہے۔ اس نے اپنی پچھلی باتیں یاد دلائیں الم نربک فینا ولیدًا ولبثت فینا من عمرک سنین اس نے کہا موسیٰ! ہمارے گھر میں ہماری روٹیوں پر پل کر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے ہو۔ ترجمہ غلط تو نہیں کیا میں نے؟ علماء کرام ہیں کہیں ناراض نہ ہو جائیں۔ الم نربک فینا ولیدًا بچپن میں ہم نے نہیں پالا؟ ہماری روٹیاں کھائیں اور ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے ہو۔ ولبثت فینا من عمرک سنین اپنی زندگی کا کتنا حصہ میرے محل میں گزارا ہے تم نے۔ اور ساتھ یہ بھی کہا وفعلت فعلتک التی فعلت یاد ہے کہ مکہ مار کر بندہ ہی مار دیا تھا۔ یہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کو یاد دلا رہا ہے اپنے محل کی وہ تعیشات، وہ روٹیاں اور قتل یاد دلا رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک جواب دیا، خوبصورت جواب دیا، بس اس جواب کے ذکر کے لیے میں نے یہ بات کہی ہے۔ تلک نعمة تمنها علیّ ان عبدت بنی اسرائیل؟ بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھا ہے کئی نسلوں سے، یہ احسان مجھے جتلا رہا ہے تو؟ میں کسی احسان کو نہیں مانتا، آزادی کے لیے آیا ہوں۔

کیوں جی! حضورؐ نے کیا فرمایا ہے؟ کانت بنی اسرائیل تسوسهم الانبیاء بنی اسرائیل کی سیاست کون کرتا تھا؟ یوسف علیہ السلام کرتے تھے، موسیٰ علیہ السلام کرتے تھے، ہارون علیہ السلام کرتے تھے۔ چلیں کئی مراحل چھوڑ کر صرف ایک حوالہ اور دیتا ہوں۔ داؤد علیہ السلام صرف پیغمبر تھے یا بادشاہ بھی تھے۔ نبوت بھی کی، بادشاہت بھی کی۔ سلیمان علیہ السلام؟ ایسی بادشاہت کی کہ کہہ کر لی بادشاہت رب هب لی ملکًا لا ینبغی لاحد من بعدی یا اللہ! ایسی حکومت دے میرے بعد قیامت تک کسی کو نہ ملے۔ اللہ تعالیٰ نے دی یا نہیں؟ سمجھ میں آگئی ہے بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی کانت بنی اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلک نبی خلفه نبی ایک نبی جاتا تو دوسرا آجاتا، تسلسل قائم تھا۔ انه لا نبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ختمِ نبوت کا اس مسئلہ سے بھی تعلق ہے بھئی۔ پھر یا رسول اللہ! سیاست

کون کرے گا؟ فرمایا وسیکون بعدی خلفاء میرے بعد یہ نظام کون قائم کرے گا؟ خلفاء۔ ایک پہلو میں نے یہ عرض کیا ہے۔

دوسری بات کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اعلان فرما دیا کہ رسالت بھی ختم اور نبوت بھی ختم لا نبی بعدی ولا رسول اب کیا ہو گا؟ اب ہوں گے خلفاء۔ قوم کی سیاسی قیادت کا منصب کس نے سنبھالا؟ خلفاء نے۔ اور کس کی جگہ سنبھالا؟ انبیاء کی جگہ۔ میں تفصیل میں نہیں جاتا ورنہ بڑی تفصیل ہے کہ ہمارے فقہاء کرام جب خلافت کی تعریف کرتے ہیں کہ خلافت کہتے کس کو ہیں، لمبی بات ہے لیکن میں دو جملوں میں خلاصہ عرض کرتا ہوں کہ خلافت کہتے کس کو ہیں۔

فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ خلافت کہتے ہیں امت کے اجتماعی معاملات کو سنبھالنا، حکمرانی کا نظام چلانا نیابتًا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کہتے ہیں اسے۔ خلیفہ اللہ کا نہیں اس کے رسول کا نائب ہے۔ خلیفہ کس کا؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے کہہ دیا یا خلیفۃ اللہ ٹوک دیا لست بخلیفۃ اللہ، انا خلیفۃ رسول اللہ اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں، اللہ کے رسول کا خلیفہ ہوں۔

میں تفصیلات میں جائے بغیر صرف ایک بات کہ خلافت کا آغاز کیسے ہوا؟ آج ہمارے حکمران یہ کہتے ہیں کہ ریاست کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور ہمارے ملک کی کوئی نظریاتی بنیاد نہیں ہے، اور دستور کا کوئی بنیادی نظریاتی ڈھانچہ نہیں ہے۔ ہمارے دانشور یہ کہتے ہیں کہ اسلام کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور ریاست کا مذہب کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضورؐ کے ارشاد کے مطابق کوئی ریاست قائم ہوئی تھی یا نہیں؟ کوئی حکومت بنی تھی یا نہیں؟ کون سی حکومت بنی تھی، پہلے خلیفہ کون تھے؟ حضورؐ کی مسند پر کون بیٹھے؟ بطور امام کے یا بطور حکمران کے بھی۔ بطور معلم کے یا بطور کمانڈر کے بھی۔ حکمران بنے تھے، حاکم تھے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو پولیٹیکل سسٹم دیا ہے، جو نظام دیا ہے، یہ کہہ کر دیا ہے کہ پہلے نبی کرتے تھے اب خلیفہ کریں گے،

کام وہی کریں گے جو وہ کرتے تھے، ان کی خلافت کا آغاز کیسے ہوا؟ خلافت کی بیس (بنیاد) کیا ہے؟ یہ عرض کر کے میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے، سقیفہ بنی ساعدہ بیعت ہوئی، اس کے بعد مسجد میں ہوئی۔ خطبہ ارشاد فرمایا خلیفۂ اول نے، جانشینِ پیغمبر نے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور خلافت کا تعارف کروایا کہ میں کون ہوں؟ میں نے کیا کرنا ہے؟ تم نے کیا کرنا ہے؟ یہ پالیسی اسپیچ ہے ان کی۔

پہلا جملہ فرمایا امرت علیکم مجھے تم پر حکمران بنادیا گیا ہے لست بخیرکم تم سے بہتر نہیں ہوں۔ یہ ان کی کسر نفسی کا جملہ تھا، اس وقت ان سے بہتر اور تھا کون؟

فرمایا اقودکم بکتاب اللہ میں تمہارے نظام کو چلاؤں گا اللہ کی کتاب کے مطابق اور سنت کے مطابق۔ میں حکومت کس کے مطابق کروں گا؟ اقودکم بکتاب اللہ وسنۃ نبی میں تمہارا نظام قائم کروں گا، حکومت کروں گا کتاب و سنت کے مطابق۔ ریاست کی بیس کیا ہے؟ حکومت کی بیس کیا ہے؟ خلافت کی بنیاد کیا ہے؟ رسول اللہ کی قائم کردہ حکومت کی اور حضورؐ کی قائم کردہ ریاست کی بنیاد کیا ہے؟

اگلی بات، صدیق اکبرؓ نے فرمایا اگر میں کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق چلوں تو میری اطاعت تم پر فرض ہے، اور اگر میں کتاب اور سنت سے ہٹنے لگوں تو میری اطاعت تم پر فرض نہیں ہے۔ گویا حکومت کا اور رعیت کا تعلق کیا ہے؟ حاکم اور رعایا کا تعلق کیا ہے؟ کتاب و سنت۔

تیسرا جملہ، فرمایا دیکھو! میں تمہیں گارنٹی دیتا ہوں وعدہ کرتا ہوں کہ میں کتاب و سنت کے مطابق چلوں گا، اگر چلوں تو میری اطاعت تم پر واجب ہے، لیکن اگر ٹیڑھا ہو جاؤں پھر؟ اگر میں سیدھا سیدھا چلوں تو میری اطاعت کرنا، میرے ساتھ تعاون کرنا۔ اگر ٹیڑھا چلنے لگوں تو کیا کرنا؟ بڑا زبردست جملہ فرمایا، یہ نہیں کہا کہ مجھے بتادینا۔ فرمایا مجھے سیدھا کر دینا۔ میں اس کی تعبیر کیا کرتا ہوں کہ یہ عوام کا حق احتساب ہے یہ۔ حضرت صدیق اکبرؓ اسلام کے سیاسی نظام میں پہلی تقریر میں یہ اعلان کر رہے ہیں، عوام کا حق احتساب ہے کہ حکمران اگر ہٹنے لگیں تو پکڑ کر سیدھا کر دے۔

ہر زمانے میں سیدھا کرنے کا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ آج کا اپنا طریقہ ہے، اس زمانے کی ایک جھلک دکھا کر بات سمیٹتا ہوں۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا اپنا مزاج تھا اور حضرت عمرؓ کا اپنا مزاج تھا۔ مزاج کا فرق تو ہوتا ہے نا۔ اور تھا یا نہیں؟ زبردست تھا۔ پہلے خطبے میں حضرت عمرؓ نے بھی یہی باتیں فرمائیں۔ دو اضافے کیے صرف۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا تھا کہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں گارنٹی دیتا ہوں کہ کتاب اللہ کے مطابق چلوں گا اور سنتِ رسول کے مطابق چلوں گا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے پہلے خطبے میں خلیفہ بنتے ہی اپنی پالیسی اسپیچ میں ایک جملے کا اضافہ کر دیا۔ فرمایا، قرآن کے مطابق چلوں گا، سنت کے مطابق چلوں گا، اور اپنے پیشرو کے فیصلوں کا احترام کروں گا۔ ماضی کے تسلسل کو قائم رکھوں گا۔ اگلی بات فرمائی۔ اگر میں سیدھا سیدھا چلوں تو میرا ساتھ دو گے، اگر میں ٹیڑھا چلنے لگوں تو کیا کرو گے؟ سوال کر دیا رعیت سے۔ ایک بدو اٹھا، جمعے کا اجتماع تھا، کھڑا ہو گیا۔ تلوار نکالی اور یوں لہرائی۔ او خطاب کے بیٹے! اگر تم ٹیڑھا چلنے لگے تو اس تلوار کے ساتھ تمہیں سیدھا کر دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے کسی آئی جی کو اشارہ نہیں کیا، آسمان کی طرف نظر اٹھائی، یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ عمر کی رعیت میں ایسے لوگ موجود ہیں جو عمر کو بھی سیدھا کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

میں صرف یہ بتا رہا ہوں کہ جو ریاست اسلام نے قائم کی، جو ریاست جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی، اس کا کوئی بنیادی ڈھانچہ تھا یا نہیں؟ اس کی نظریاتی بنیاد ہے یا نہیں؟ میں اہلِ دانش سے بھی کہنا چاہتا ہوں اور حکمرانوں سے بھی کہ جو قومیں اپنی بنیادوں سے منحرف ہو جایا کرتی ہیں ان کی بنیادی منہدم ہو جایا کرتی ہیں۔ جو قومیں اپنی بنیادوں سے انحراف شروع کر دیتی ہیں ان کی بنیادیں پھر قائم نہیں رہتیں۔ پاکستان کو قائم رکھنا ہے، اللہ تعالیٰ سلامت رکھیں، اللہ تعالیٰ قائم رکھیں، تو پھر پاکستان کی بنیادوں کو بھی قائم رکھنا ہو گا۔ پاکستان کی بنیاد اسلام ہے، قرآن کریم ہے، سنتِ رسولؐ ہے، خلافتِ راشدہ ہے۔ پاکستان اور اسلام لازم و ملزوم ہیں، کوئی طاقت، کوئی حکومت، کوئی دانش اسلام اور پاکستان کو الگ نہیں کر سکتی، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اسلامی ریاست کی بنیاد کس بات پر ہے؟

https://zahidrashdi.org/3514

اس میں سب سے پہلی بات تو یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ انسانی سماج ایک جوڑے سے شروع ہوا ہے۔ یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیرًا ونسآءً آج دنیا میں کتنے لوگ ہیں؟ سات ارب سے زیادہ ہیں، سب اس جوڑے کی برکت ہے۔ یہ جوڑا کہاں سے آیا تھا؟ یا اٰدم اسکن انت وزوجک الجنۃ اچھا وہاں وہ واقعہ ہوا اھبطا منھا جمیعًا حکم ہوا کہ چلو کچھ عرصہ کے لیے دنیا میں۔ زمین پر اتار دیا۔

میں اسلامی ریاست کی بنیاد بتا رہا ہوں اصل بنیاد اسلامی ریاست کی کیا ہے۔ قلنا اھبطوا منھا جمیعًا چلو بھئی ولکم فی الارض مستقر ومتاع مستقر بھی ہو گا متاع بھی ہو گا، ٹھکانہ بھی ملے گا، اسباب بھی روٹی کپڑا مکان ملے گا، لیکن مستقل نہیں الیٰ حین لمیٹڈ (محدود مدت کے لیے) ہو گا۔ فرد کا حین پچاس ساٹھ ستر سال، نسل کا حین پچیس تیس سال، زمانے کا حین ایک صدی، اور دنیا کا حین طے شدہ بتایا نہیں ہے۔ یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا قل انما علمھا عند ربی طے شدہ ہے۔ زمین پر اتر جاؤ، ٹھکانہ بھی ملے گا، اسباب بھی ملیں گے۔ لیکن کیا ہوں گے؟ ایک وقت تک کے لیے۔

کرنا کیا ہے؟ اما یأتینکم منی ھدًی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولاھم یحزنون، والذین کفروا وکذبوا بأیاتنا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ڈائریکشن میں دوں گا، ایجنڈا میں دوں گا، ہدایات میری طرف سے آئیں گی کہ کیسے رہنا ہے، تم اپنی مرضی میں آزاد نہیں ہو۔ ڈائریکشن، ہدایات، ایجنڈا، پروگرام میں دوں گا۔ تمہاری دنیا کی زندگی کا مدار کس پر ہے؟ من تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون جس نے میری ڈائریکشنز کے مطابق زندگی گزاری خوف اور غم سے نجات پا کر اپنے گھر واپس آئے گا جہاں سے جا رہا ہے۔ والذین کفروا وکذبوا بأیاتنا اولئک اصحاب النار جنہوں نے نہیں مانی، اپنی من مانی کی ہے، وہ دوسرے گھر جائیں گے۔

یہ ہے ایک انسانی سماج کی بنیاد، سوسائٹی کی بنیاد، اسلامی ریاست کی بنیاد۔ انسانی معاشرہ کس کا پابند ہے؟ اما یأتینکم منی ھدًی انسانی معاشرہ آزاد نہیں ہے، جس نے پیدا کیا اس نے آزاد پیدا نہیں کیا۔ آج کی دستوری زبان میں اس کو کیا کہتے ہیں؟ حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کی ہے۔ آپ کے دستور میں بھی یہ لکھا ہوا ہے۔ حاکمیت مطلقہ اور حاکمیت اعلیٰ کس کی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی۔ اما یأتینکم منی ھدًی کا (دستوری) ترجمہ ہے یہ۔ یہ تو ہے انسانی سماج کی بنیاد اور اسلامی ریاست و حکومت کا نقطۂ آغاز، زیرو پوائنٹ۔

تحریکِ ختمِ نبوت کے ساتھ میرا تعلق

https://zahidrashdi.org/3591

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ آج تحریکِ ختم نبوت کے ساتھ میرا تعلق کب ہوا، کن کن مراحل سے گزرا، اور آج کس پوزیشن میں ہے، اس کا تھوڑا خلاصہ عرض کروں گا۔

تحریک ختم نبوت میں میری بچپن کی یادوں میں سے یہ ہے کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں، میں اس وقت پانچ سال کا تھا۔ والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ تحریک میں گرفتار ہوئے تھے، تقریباً نو ساڑھے نو ماہ ملتان جیل میں رہے تھے۔ مجھے ان کی گرفتاری کا منظر بھی یاد ہے اور رہائی کا منظر بھی یاد ہے۔ یہ گکھڑ میں بٹ دری فیکٹری جی ٹی روڈ پر ہے، اس میں چوبارہ ہوتا تھا، اب تو نئی بلڈنگ ہے، پرانی بلڈنگ میں، وہ ہماری رہائش تھی، بٹ دری فیکٹری کے اوپر، میری ولادت بھی وہیں کی ہے۔ والد صاحبؒ نے تحریک کے فیصلے کے مطابق خود گرفتاری دینے کا فیصلہ کیا۔ مجھے وہ دن یاد ہے کہ اس دن صبح ہمارے گھر میں حلوہ پکا تھا۔ ایک طالب علم ہوتے تھے والد صاحب کے شاگرد عزیز الرحمٰن، وہ والد صاحبؒ کے ساتھ گئے اور کچھ لوگ اور، بستر اٹھایا ہوا تھا انہوں نے، اور سیڑھیوں سے اترنے کا منظر میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ گرفتاری پیش کی تھی اور انہیں پھر ملتان جیل میں بھیج دیا گیا تھا جہاں تقریباً نو ساڑھے نو ماہ رہے تھے۔ اس دوران ہم نے رہائش بھی تبدیل کی تھی، جی ٹی روڈ کے اس مکان سے ہم، اندر ایک مکان کرائے پر لیا تھا

وہاں چلے گئے تھے۔ جب دس ماہ کے بعد واپس آئے ہیں تو وہ منظر بھی میری نگاہوں میں ہے۔ ہمارے ایک دوست ہوتے تھے یعقوب صاحب، گھریلو تعلقات تھے، ان کو ہم ماموں یعقوب کہا کرتے تھے، انہوں نے آکر بتایا کہ مولوی صاحب آ گئے ہیں۔ تو والد صاحبؒ کو میں جا کر سڑک پر ملا، ان کے ساتھ آیا۔

اس دوران ایک منظر اور یاد ہے مجھے کہ ہم چھوٹے چھوٹے بچے گلیوں میں گھوما کرتے تھے، نعرے لگایا کرتے تھے، وہ نعرے یہاں بتانے والے نہیں ہیں، یہ میری پہلی انٹری ہے تحریک ختم نبوت میں کہ اس میں ہم چھوٹے چھوٹے بچے، بلکہ مجھے یاد ہے کہ شاید کرتا ہی ہوتا تھا ہمارا، اس زمانے میں بچوں کی شلوار پاجاموں کا رواج نہیں ہوتا تھا، کرتا ہی پہنا ہوتا تھا، گھومتے پھرتے تھے اور نعرے لگایا کرتے تھے۔ یہ میری پہلی انٹری ہے تحریک ختم نبوت میں، الحمدللہ پانچ سال کی عمر میں اس دائرے میں داخل ہوا ہوں۔

اس کے بعد گکھڑ میں ہمارے استاد محترم قاری محمد انور صاحب جن کا میں اکثر ذکر کرتا رہتا ہوں، ان کا ذوق یہ تھا کہ وہ اپنے استاد محترم حضرت مولانا قاری سید محمد حسن شاہ صاحبؒ جو بہت بڑے قاری بھی تھے اور بہت بڑے خطیب بھی تھے، اکثر جلسہ کرایا کرتے تھے استاد محترم کو بلا کر، سال میں ایک دو دفعہ قاری حسن شاہ صاحب تشریف لاتے تھے اور ان کی تقریر ہوا کرتی تھی، کبھی مسجد میں، کبھی مسجد سے باہر۔ ایک جلسہ رکھا، قاری سید محمد حسن شاہ صاحبؒ کی تقریر تھی۔ ہماری استاد محترم کا ذوق یہ تھا کہ مجھے کچھ لفظ یاد کروا کے کہا کرتے تھے مولوی! تقریر کر۔ وہ مجھے مولوی کہا کرتے تھے۔ مولوی! تقریر کر۔ پہلے کچھ رٹاتے تھے اور پھر مجھے کھڑا کرتے تھے۔ میں جو تقریر وغیرہ تھوڑی بہت کر لیتا ہوں اس کے پیچھے قاری صاحب ہیں۔ ابتدائی تیاری، کئی دفعہ ایسا ہوا۔ میں نے تقریر کی، مائیک پر کھڑا ہوا، مجمع تھا، پبلک جلسہ تھا روڈ پر۔ میں نے وہی نعرے تقریر میں شروع کر دیے، جو بتانے کے نہیں ہیں۔ والد صاحب پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، وہ اٹھے، مجھے یہاں سے پکڑا، پیچھے ہٹایا، مائیک پر کھڑے ہو کر کہا کہ بھئی بچہ ہے، ایسی باتیں کر گیا ہے، میں اس پر معذرت خواہ ہوں، ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اور مجھے گھر آ کر ڈانٹا، بیٹا ایسی باتیں نہیں کرتے،

بات ادب سے کرتے ہیں اخلاق سے کرتے ہیں، یہ کیا تم نے گالیاں دینی شروع کر دی تھیں؟ بات کرتے ہیں، گالیاں نہیں دیا کرتے۔ یہ میرا دوسرا مرحلہ ہے ختم نبوت کی تحریک کا۔

اس کے بعد حفظ مکمل ہوا، میں ۱۹۶۲ء میں نصرۃ العلوم میں آیا، اس زمانے میں یہ ثانیہ، رابعہ نہیں ہوتا تھا۔ ہدایۃ النحو کا سال ہے، کافیہ کا سال ہے، جامی کا سال ہے، شرح عقائد کا سال ہے، جلالین کا سال ہے، یہ ہوتا تھا۔ میرا وہ ہدایۃ النحو کا سال تھا۔ استاد محترم حضرت مولانا عبد القیوم صاحب ہزارویؒ بہت جلالی بزرگ تھے، بہت غضب کے مدرس تھے، بڑے مشفق استاد تھے، میرے زیادہ اسباق ان کے پاس تھے، بڑی شفقت بھی فرماتے تھے اور سختی بھی فرماتے تھے، دونوں کام کرتے تھے۔ وہ مجلس احرار گوجرانوالہ کے صدر رہے ہیں، اور پھر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر بھی تھے، چونکہ ان کے ساتھ انس زیادہ تھا تو آہستہ آہستہ اس میں میرا بھی حصہ ہونا شروع ہو گیا۔

فاتح قادیاں حضرت مولانا محمد حیات صاحب قدس اللہ سرہ العزیز میرے ختم نبوت کے حوالے سے پہلے باضابطہ استاد تھے۔ وہ بہت سادہ بزرگ تھے، بہت سادہ بزرگ تھے۔ آپ ان کو دیکھ کر یہ تصور نہیں کر سکتے کہ کوئی بڑے عالم ہیں، بلکہ عالم بھی ہیں۔ ڈاڑھی تو قدرتی نہیں تھی۔ ڈاڑھی تھی ہی نہیں۔ بلکہ اس پر ایک لطیفہ سناؤں گا۔ مولانا محمد خان صاحبؒ ہمارے گکھڑ میں ان کی شادی ہوئی، چکوال کے تھے، ختم نبوت کے مبلغ تھے اس زمانے میں۔ انہوں نے بتایا کہ استاد جی آئے ہوئے ہیں، نام تو میں نے سن رکھا تھا، فاتح قادیاں حضرت مولانا محمد حیات صاحبؒ۔ میں نے کہا میں صبح آؤں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جمعہ والے دن صبح چھٹی ہوتی تھی، تو میں صبح صبح تقریباً نماز کے ایک گھنٹے بعد وہاں گیا، دفتر میں اوپر چڑھا، میں نے دیکھا کہ ایک آدمی لیٹا ہوا ہے، منہ لحاف سے باہر ہے، سردی کا موسم تھا، چہرہ تھا جیسے کوئی بڑھیا ہے، میں سیڑھیوں سے دیکھ کر نیچے اتر آیا، میں نے سوچا ان کی والدہ آئی ہوگی یا کوئی بزرگ خاتون آئی ہوگی۔ میں بازار میں کھڑا ہو گیا جا کر کہ مولوی صاحب آئیں گے تو پھر اوپر جاؤں گا۔ مولوی صاحب ناشتہ لینے گئے ہوئے تھے۔ نیچے بازار میں کھڑے ہوئے دیکھا، والد صاحب کی وجہ سے اکثر لوگ مجھے استاد جی کہتے تھے۔ استاد جی! کہاں

کھڑے ہیں، اوپر نہیں گئے ؟ میں نے کہا، گیا تھا۔ پھر ؟ میں نے کہا، کوئی بوڑھی خاتون سوئی ہوئی ہے میں واپس آگیا ہوں۔ ہنس پڑے، کہا کوئی بڑھیا نہیں ہے حضرت مولانا محمد حیات صاحب ہیں۔ اوپر گئے، استاد جاگے، انہوں نے میرا تعارف کروایا۔

حضرت مولانا محمد حیاتؒ نے یہاں پندرہ دن کا کورس کروایا، عام طور پر دو تین مسئلے پڑھایا کرتے تھے، اب بھی مناظرین پڑھاتے ہیں۔ ختم نبوت پر قادیانیوں کے دلائل، ہمارے دلائل، سوال و جواب، حیاتِ عیسیٰؑ بہت بڑا علمی مسئلہ ہے، صدق و کذب مرزا، مناظرے کے اصول بتایا کرتے تھے کہ یوں بات کرنی ہے، ایسے بات کرنی ہے، یہ حوالہ دینا ہے۔ تو حضرت مولانا محمد حیاتؒ نے (یہ کورس کروایا) شہر کے مختلف مدارس کے طلباء و علماء اس میں شریک ہوتے تھے۔ میں اس کلاس کا باقاعدہ طالب علم تھا۔ یہ غالباً ۱۹۶۳ء کی یا ۱۹۶۴ء کی بات ہے۔ میں نے وہ سبقاً سبقاً ان سے پڑھا۔ استاد محترم تھے، بزرگ تھے، سادہ سا لباس ہوتا تھا، دور سے آپ پہلی دفعہ دیکھیں تو یوں لگتا تھا جیسے کسان حل چلا کر حل چھوڑ کر آیا ہے۔ بالکل سادہ سا لباس، کوئی آدمی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ بڑے عالم ہیں یہ۔ چونکہ استاد محترم ہیں میرے، ان کی سادگی کی دو تین باتیں میں عرض کرنا چاہوں گا۔ اور واقعتاً یہ چند لوگ تھے جن سے ہم نے بہت کچھ سیکھا، اللہ تعالیٰ ان کے درجات جنت میں بلند سے بلند تر فرمائیں، آمین۔

پہلی بات تو یہ کہ میں انہیں دیکھ کر بڑھیا سمجھا کہ کوئی بڑھیا لیٹی ہوئی ہے۔ ان کا ذوق بھی یہ تھا، حضرت والد صاحبؒ بھی ہمیں یہ تلقین کیا کرتے تھے اور حضرت مولانا محمد حیاتؒ بھی۔ بعض لوگ ان سے غصے ہوتے تھے کہ مولانا محمد حیات صاحب کیا کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کہتے ہیں، یہ کیا؟ لیکن وہ کہتے تھے نہیں بھئی! نام جس کا بھی لو اخلاق سے لو۔ اسی کلاس کے دوران مولانا محمد حیاتؒ نے دلائل پڑھائے اور مجھے کہا کہ اٹھ کر بیان کرو کیا پڑھا ہے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہوا اور کہا مرزا۔۔۔۔ ٹوک دیا، نہ بیٹا نہ، ایسے نہیں کہتے، وہ بھی ایک قوم کا لیڈر رہے، کہو مرزا صاحب یوں کہتے ہیں، مجھے اختلاف ہے۔ یہ دوسرا سبق تھا۔ یہ دو سبق ایسے ذہن میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ ان شاء اللہ مرتے دم تک رہیں گے۔ یہ کورس میری دوسری انٹری تھی، پندرہ دن کا کورس میں نے

حضرت مولانا محمد حیاتؒ (سے پڑھا)۔

استاد الکل تھے، میرے بھی استاد تھے۔ ان کی سادگی کی ایک بات کہ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ۔ ختم نبوت کو منظم کرنے میں حضرت مولانا محمد جالندھریؒ کی ہمت، بصیرت اور جدوجہد تھی، ایک ادارہ بنا گئے، اللہ تعالیٰ ان کو (اس کا اجر دے)۔ وہ چونکہ معاصر تھے مولانا محمد حیاتؒ کے، ساتھی تھے۔ تو مبلغین کو جہاں وہ تنخواہ بھی دیتے تھے خرچہ بھی دیتے تھے، لیکن رسید بک بھی دیتے تھے کہ چندہ بھی لانا ہے۔ آج بھی مبلغین کے ذمے چندہ بھی ہوتا ہے۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے بے تکلفی سے مولانا محمد حیاتؒ فرمانے لگے کہ دیکھو محمد علی کا کام کہ مجھے بھی رسید بک پکڑا دی ہے کہ چندہ بھی اکٹھا کر کے لانا ہے، میں کس سے مانگوں، میرے تو مزاج نہیں ہے۔ بعض بزرگوں کا مزاج ہوتا ہے۔ حضرت والد صاحبؒ کا اور حضرت صوفی صاحبؒ کا بھی یہی مزاج تھا کہ کسی سے کہنا چندے کے لیے، توبہ توبہ۔ والد صاحبؒ کہا کرتے تھے کہ مجھے کسی سے کہنا پڑ جائے کہ فلاں ضرورت ہے مسجد کی یا فلاں تو مجھے خطبہ بھول جاتا ہے۔ تو میں نے مولانا سے کہا کہ رسید بک مجھے دیں۔ کہا تم کیا کرو گے؟ میں نے اس زمانے میں، یہ ۱۹۶۳ء، ۱۹۶۴ء، ۱۹۶۵ء کی بات ہے، گکھڑ میں اپنے کچھ دوستوں سے کہہ کہلوا کر کچھ سولہ سترہ روپے جمع کیے۔ اس زمانے میں سولہ ستر روپے خاصی رقم ہوتی تھی، اس وقت دودھ روپے کا دو کلو ہوتا تھا۔ میں نے دو تین دن کے بعد لا کر دیے۔ اللہ تیرا بھلا کرے، اللہ تیرا بھلا کرے۔ ان کی اپنی بے تکلفی کی زبان تھی "میں وی ہون محمد علی دے منہ تے ماراں گا، اے لے پھڑ چندا، میں وی لیایاواں"۔

یہ بے تکلفی، سادگی تھی، لیکن علم کا پہاڑ تھے، قادیانیوں کے خلاف سب سے بڑے مناظر وہ تھے، یہ سب مولانا منظور چنیوٹی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ استاد المناظرین تھے۔ بات دھیمی دھیمی کرتے تھے اور ایسے جکڑتے تھے کہ آدمی پھڑپھڑا کر رہ جاتا تھا کہ کرے کیا۔ سخت بات نہیں کرتے تھے، گرم بات نہیں کرتے تھے۔ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ ایک جملہ فرمایا کرتے تھے کہ کہتے ہیں کہ ریت کی دیوار تعمیر نہیں ہو سکتی لیکن مولوی محمد حیات کر دیتا ہے۔ گفتگو کا اسلوب تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی، میٹھی میٹھی۔ نہ بیبا جی ایداں نہیں ایداں، یہ بات یوں نہیں یوں ہے، اور مخالف مناظر کو

ایسے جکڑتے تھے اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ جاؤں کدھر اب میں۔

ایک دن گکھڑ تشریف لائے، ان کی سادگی کی بات دیکھیں۔ گھر تشریف لائے تو کھانا شام کا پکایا۔ میں کھانا لے کر آیا۔ سچی بات ہے کہ آج بھی میں یاد کرتا ہوں تو مجھے رونا آجاتا ہے۔ دو سالن تھے، گوشت تھا اور کوئی سبزی وغیرہ تھی۔ میں نے دستر خوان پر کھانا رکھا۔ "او مولوی صاحب! دو سالن؟ مولوی کے گھر؟ دو سالن؟ اتنی فضول خرچی؟ ایک اٹھالو ورنہ میں اٹھادوں گا"۔ دستر خوان پر دو سالن ان کے نزدیک فضول خرچی تھی۔ میں نے جلدی سے دال اٹھالی کہ کہیں گوشت اٹھا کر نہیں رکھ دیں بابا جی۔ یہ وہ لوگ تھے ان کی کمائی ہم کھا رہے ہیں، سچی بات ہے۔ محنت ان کی ہے، قربانیاں ان کی ہیں۔ ہم تو ایک سالن والا دستر خوان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں کہ یار یہ کیا دعوت کی ہے! سچی بات ہے، ایمانداری کی بات ہے کہ یہ چند بزرگ تھے جن کی قربانیاں اور محنت تھی، عزت آج ہم پا رہے ہیں۔ ان کی قربانیاں اور کمائیاں ہم کھا رہے ہیں اور ان کے نام پر ہم عزت پا رہے ہیں۔ یہ سب ان کی برکات ہیں۔ یہ میری دوسری انٹری تھی ختم نبوت تحریک میں۔

آغا شورش کاشمیریؒ تحریک ختم نبوت کے بہت بڑے لیڈر تھے، احرار لیڈر تھے، بڑا دبنگ آدمی تھا۔ اس زمانے میں، یہ دور وہ تھا، ہم نے وہ دور دیکھا ہے اور بھگتا ہے کہ جلسے میں تقریر میں قادیانیوں کا نام لے کر تردید کرنا جرم سمجھا جاتا تھا، مقدمات ہو جاتے تھے، گرفتاری ہو جاتی تھی کہ نام لے کر ان کے خلاف بات کیوں کی ہے۔ اس پر دو یا تین مقدمے میں نے بھگتے ہیں۔ اور گوجرانوالہ سے پیپلز پارٹی کے ایم این اے ہوتے تھے میاں منظور الحسن وہ میرے وکیل ہوتے تھے۔ اس شخص کا کمال ہے کہ ختم نبوت کا ہر کیس خود لڑتے تھے اور بلا فیس لڑتے تھے۔ اور تھے پیپلز پارٹی کے، ایم این اے تھے۔ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے۔ ایک ارشد میر ہوتے تھے ہمارے دوست وہ بھی وکیل تھے۔ اور رفیق تارڑ صاحب گوجرانوالہ بار میں رہے ہیں۔ اور ختم نبوت کے حوالے سے کوئی کیس بھی ہو، رفیق تارڑ صاحب، ارشد میر، اور میاں منظور یہ ہر وقت حاضر ہوتے تھے، بلا فیس لڑتے تھے، خرچہ بھی جیب سے کرتے تھے۔ خیر، اس زمانے میں سعودی عرب میں قادیانیوں کے داخلے پر پابندی نہیں تھی، حج کے لیے آتے جاتے تھے۔ ایک خبر آئی جس نے

مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ خانہ کعبہ کو غسل دیتے ہیں حج سے کچھ دن پہلے۔ ظفر اللہ خان قادیانی اس زمانے میں عالمی عدالت کے جج ہوتے تھے، خبر آئی کہ خانہ کعبہ کے غسل میں ظفر اللہ خان شریک تھے۔ آگ لگ گئی کہ ظفر اللہ خان اس غسل میں اس اعزاز کے ساتھ پروٹوکول کے ساتھ۔ خبریں آئیں تصویریں آئیں کہ خانہ کعبہ کو غسل دینے میں انہوں نے شریک کیا ہے۔ خیر ملک میں تقریریں وغیرہ ہوئیں اور جو ہوتا ہے۔ ایک مقدمہ میں نے اس پر بھی بھگتا ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں شور وغیرہ ٹھیک ٹھاک مچایا کرتا تھا میں۔

پھر آہستہ آہستہ مہم چلی دنیا میں تو سعودی عرب نے حج کے لیے قادیانیوں کے آنے پر پابندی لگا دی۔ اس وقت بھی پوزیشن یہ ہے کہ کسی قادیانی کا اگر پتہ چل جائے، اگر گیا بھی ہو تو نکال دیتے ہیں۔ قادیانیوں کے حج میں داخلے پر پابندی لگا دی۔ اس پر آغا شورش کاشمیریؒ کا پرچہ تھا چٹان، اس میں ایک شذرہ لکھا "الحمد للہ" اور آگے تین چار سطریں، یا اللہ تیرا شکر ہے کہ سعودی حکومت کو یہ توفیق عطا کی، عالم اسلام کے نمائندہ ہیں مرکز ہیں۔ بس چار پانچ سطریں، صرف اتنی بات کہ سعودی عرب کا شکریہ ادا کیا، اللہ تعالیٰ کی تعریف و ثنا کی، اور یہ کہا کہ ہماری ایک بڑی منزل حل ہو گئی ہے کہ سعودی عرب میں قادیانیوں کے داخلے پر پابندی لگ گئی ہے۔ اس پر، یہ ایوب خان کا زمانہ تھا، چٹان کا پرچہ ضبط ہو گیا، چٹان کا پریس ضبط ہو گیا، چٹان کا دفتر سیل ہو گیا، آغا صاحب گرفتار ہو گئے، اس کا ڈکلیریشن منسوخ ہو گیا۔ وہ کیفیت بھی ہم نے بھگتی ہوئی ہے۔ اس میں پھر ہم نے ایک مہم چلائی۔ حضرت مولانا عبد القیوم صاحبؒ استاد محترم، وہ ہمارے قائد تھے، ہم طالب علم بھی تھے، شاگرد بھی تھے، کارکن بھی تھے۔ الحمد للہ کی مہر بنوائی، علامت بن گئی تھی الحمد للہ۔ نوٹ کے اندر سفید جگہ ہوتی ہے، اس کے لیے مہر بنوائی الحمد للہ اور نوٹوں پر لگانا شروع کر دی۔ یہ تحریک کا ماٹو سا بن گیا تھا۔ اس پر اسٹیٹ بینک کو اعلان کرنا پڑا کہ جس نوٹ پر الحمد للہ کی مہر ہوگی وہ نوٹ کینسل۔ دو تین مہینے ہماری معرکہ آرائی رہی، یہ ہوا وہ ہوا۔ اس میں بھی الحمد للہ شریک رہا ہوں۔ میں اپنی بات کر رہا ہوں کہ فلاں فلاں مرحلے میں۔ یہ بات ہے ۱۹۶۷ء یا ۱۹۶۸ء کی۔ ہم مولانا عبد القیوم صاحب کے کارکن ہوتے تھے، وہ ختم نبوت کے اور احرار کے امیر تھے، ختم نبوت

کے دفتر میں میٹنگیں ہوتی تھیں اور یہ سارے کام ہوا کرتے تھے۔ ہم اشتہار بھی لگاتے تھے، جلسوں میں بھی جاتے تھے، نعرے بھی لگاتے تھے۔

اس دوران کا ایک واقعہ اور عرض کروں گا۔ یعنی اس وقت کی سنگینی دیکھیں اور اکابر کی حکمت عملی دیکھیں۔ ہمارے بڑوں نے بڑی حکمت عملی سے سوچ سمجھ کر کہ یوں نہیں تو یوں سہی، یوں نہیں تو یوں سہی۔ اب تو یہ ہے نا کہ بس یوں ہی۔ وہ راستہ متبادل نکال لیتے تھے۔ شیرانوالہ باغ میں جلسہ تھا، سید حسنات احمد ڈی سی تھے گوجرانوالہ کے۔ جلسہ تھا ختم نبوت کا، مولانا جالندھریؒ کی تقریر تھی، موضوع ہی ختم نبوت تھا۔ اسٹیج پر آکر بیٹھے تو تقریر سے پہلے آرڈر آگیا ڈی سی صاحب کا کہ آپ احمدیوں کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے، باضابطہ تحریری آرڈر آگیا کہ قادیانیوں کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے آپ۔ مولانا جالندھریؒ تو مولانا جالندھریؒ تھے۔ لوگ تو یہی باتیں سننے آئے تھے۔ خطبہ پڑھا۔ ہلکا سا خطبہ پڑھا کرتے تھے سادہ سا، ترنم وغیرہ نہیں تھا، سیدھی سی بات کرتے تھے "ایداں اوداں" اور تین تین چار چار گھنٹے لوگوں کو باندھ کر بٹھائے رکھتے تھے۔ سیدھی سیدھی اور سادہ سادہ باتیں اور کیا مجال کہ مجمع چار گھنٹے بھی ہل جائے ان کے سامنے سے۔ میٹھی میٹھی اور ٹھنڈی ٹھنڈی باتیں کرتے تھے۔ ان کا انداز یہ تھا کہ اردو سے شروع کرتے تھے اور پانچ سات منٹ کے بعد پنجابی پر آجاتے تھے، ٹھیٹھ پنجابی۔ "میں آیا تھا، میں نے آج کچھ باتیں سوچ رکھی تھیں، آپ سے کرنی تھیں، میں نے کہا گوجرانوالہ کے بھائیوں سے چند باتیں کروں گا، ڈی سی صاحب کا آرڈر آگیا ہے کہ مرزائیوں کو کچھ نہیں کہنا۔ ہم تو بھئی غیر سیاسی لوگ ہیں، ہم قانون کی خلاف ورزی تو کرتے نہیں ہیں، یہ ہمارے مائی باپ ہیں، ہمارے حکمران ہیں، ان کے حکم کی خلاف ورزی تو نہیں کر سکتے، اب آرڈر آیا ہے میں کیا کروں۔ میں نے تو یہ بات بھی کرنی تھی، یہ بھی کرنی تھی، یہ بھی کرنی تھی، پانچ سات باتیں کہہ کر، ہم نہیں کہتے۔ ہماری حکومت ہے، ڈی سی صاحب ہیں، آرڈر ہے تو ہم نہیں کہتے۔ ہم آج معراج شریف پر تقریر کریں گے"۔ دس بارہ منٹ میں ساری باتیں کہہ کر پھر معراج شریف پر تقریر کی، رجب کا مہینہ تھا۔ غضب کے آدمی تھے، میں کہتا ہوں کہ پنجابی زبان کا اتنا بڑا متکلّم تاریخ نے پیدا نہیں کیا ہوگا۔

یہ طالب علمی کے دور کی باتیں کر رہا ہوں ساری، ہدایۃ النحو سے لے کر دورہ کے سال تک۔ پڑھتے تھے الحمد للہ اور یہ ساری کارروائیاں بھی کرتے تھے۔ دورے والے سال میں جامع مسجد میں آگیا تھا۔ حضرت مولانا مفتی عبد الواحدؒ حضرت والد صاحبؒ کے استاد تھے۔ ان کی اولاد نہیں تھی، کوئی پیچھے والی وارث نہیں تھا۔ وہ اکثر تبلیغی جماعت کے ساتھ چلہ پر یا چار مہینے پر چلے جاتے تھے، پیچھے جمعہ پڑھانے کا مسئلہ بڑا گڑبڑ ہو گیا تھا۔ اتفاق سے ایک جمعے کے لیے مجھے کہا گیا، میں نے پڑھا دیا، لوگ خوش ہو گئے کہ یار بندہ ٹھیک ہے، گھر کا بندہ ہے۔ انہوں نے حضرت مولانا سے کہا کہ اسی کو بلا لیں، وہ رہتا بھی یہیں ہے شہر میں، نصرۃ العلوم میں پڑھتا ہے۔ میں اس سے پہلے خطیب تھا، راہوالی میں سیٹھی کالونی ہے، گتہ فیکٹری تھی اس کی کالونی تھی، اس کی مسجد میں دو سال خطابت کی ہے۔ حضرت مولانا عبد الواحدؒ نے والد صاحبؒ سے کہا، والد صاحبؒ نے مجھے فرمایا، میں آگیا جامع مسجد میں، دورے والے سال، یا شاید موقوف علیہ کے سال میں آگیا تھا۔ وہ سال الیکشن کا تھا، الیکشن میں مولانا عبد الواحد صاحبؒ کھڑے تھے، ہم الیکشن کیمپین بھی کرتے تھے سب کچھ کرتے تھے۔ اور الحمد للہ یہ تحریک ذوق، لکھنے پڑھنے کا ذوق، اور نظم کا ذوق یہ میرا شروع سے ہے۔ جماعتی معاملات، دفتر، لکھنا پڑھنا، خبریں، جلسوں کو آرگنائز کرنا، یہ تقریباً اس دور سے ہی میرے کھاتے میں ہیں۔ جامع مسجد میں میرا کمرا تھا، وہی دفتر ہوتا تھا۔

۱۹۷۴ء میں مجھے یہاں خطیب ہوئے تقریباً چار سال ہو گئے تھے، قادیانیوں کے خلاف ۱۹۷۴ء کی تحریک جب چلی ہے۔ جامع مسجد ہمارا تقریباً سوا سو سال سے شہر کا مذہبی مرکز بھی ہے، سیاسی مرکز بھی ہے، سماجی مرکز بھی ہے۔ شہر میں کوئی تحریک ہو مرکز ہم ہوتے ہیں۔ اور ہماری روایت چلی آرہی ہے نسلاً بعد نسلاً کہ ہم بلاتے ہیں سب کو اور سب آتے ہیں۔ دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث، شیعہ، جماعت اسلامی، تاجر، وکیل۔ پچاس سال تو مجھے ہو گئے ہیں۔ جب بھی کوئی ضرورت پڑی ہے، بلایا ہے، سب آئے ہیں۔ تو وہ جو ہنگامے شروع ہوئے ملک میں ۱۹۷۴ء میں، قادیانیوں نے ملتان نشتر میڈیکل کالج کے طلباء کو مارا تھا ربوہ اسٹیشن پر، اس کے خلاف ملک میں ہنگامے شروع ہوئے۔ ہمارے ہاں حضرت مولانا عبد الواحدؒ نے میٹنگ بلائی، سارے مکاتب فکر

کے علماء آئے، ہم نے بہت بڑا جلوس بھی نکالا، اس میں مجلس عمل بنی "کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت"۔ یہ مولانا ابوداؤد محمد صادقؒ ابھی جو فوت ہوئے ہیں، بریلوی مکتب فکر کے بڑے عالم تھے، یہ صدر۔ اہل حدیث بزرگ تھے حکیم عبد الرحمٰن صاحبؒ، بہت بڑا مجاہد آدمی تھا، وہ سیکرٹری جنرل۔ اور میں رابطہ سیکرٹری۔ یہ میری عملی طور پر ذمہ داری پہلی تھی۔ "کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت" کا شہر کا میں سیکرٹری جنرل تھا۔ پھر ہم نے تحریک چلائی اور ایک بہت بڑا جلوس نکالا، لمبی کہانیاں ہیں۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں جلسے بھی ہوتے تھے، جلوس بھی، اس میں ایک بات کہہ کر سمیٹتا ہوں۔

ہمارے ڈی سی صاحب تھے سید سرفراز شاہ صاحب۔ ہوا یوں کہ ہم نے بڑا جلوس نکالا، مولانا صادق صاحب تھے، حکیم عبد الرحمٰن اور میں، ہم قیادت کرنے والے تھے۔ جلوس جا کر ختم ہو گیا اور وہاں آپس میں جو لڑائی شروع ہوئی تو شام تک انیس قادیانی قتل ہو گئے۔ گوجرانوالہ والوں نے تباہی پھیری اس دن۔ بی بی سی، وائس آف جرمنی، چیخ و پکار دنیا میں شروع ہو گئی کہ گوجرانوالہ قتل گاہ بن گیا ہے، یہ ہو گیا ہے، وہ ہو گیا ہے۔ دوسرے دن چار پانچ اور ہو گئے۔ نئی نئی چھاؤنی بنی تھی، کرنل صاحب قادیانی تھے۔ وہ آ کر بیٹھ گیا ڈی سی کے پاس کہ چارج مجھے دو۔ اس فضا میں قادیانی کرنل کو چارج دینے کا مطلب کیا تھا؟ ڈی سی صاحب نے ہمیں پیغام بھجوایا کہ یار سنبھالو ورنہ مسئلہ خراب ہو جائے گا۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ بریک لگانی چاہیے، شہر قادیانی کرنل کے حوالے ہو گیا تو سب کو پتہ ہے پھر کیا ہو گا۔ رانا اقبال احمد خان ہمارے صوبائی وزیر ہوتے تھے، پیپلز پارٹی کا دور تھا۔ ہم نے آپس میں مشورہ کر لیا کہ ٹھیک ہے جی، میٹنگ بلاؤ، کرنل صاحب بھی آ گئے، سب آ گئے، سارے ضلع کی انتظامیہ اکٹھی تھی۔ ہم نے کہا کہ ہمیں دو دن اور دیں، اگر ہم دو دن میں کنٹرول نہ کر سکے پھر آپ کی مرضی۔ ہم نے کہا کہ بھئی کنٹرول کرنا ہے، واقعی کنٹرول کرنا ہے، اور پھر الحمد للہ ہم نے کر لیا۔ جو لطیفے کی بات ہے وہ یہ ہے کہ سرفراز شاہ صاحب ڈی سی تھے، جلسے شروع ہوئے تو میں نے بازو چڑھا کر، یہ مرزائی ہے، یہ ہے، وہ ہے، جو سیاسی زبان میں کہا جا سکتا تھا، میں نے تین چار جلسوں میں رگڑا دیا ڈی سی کو۔ تین چار تقریریں جو میں نے کیں شہر کے مختلف چوکوں

میں، مجسٹریٹ آیا کہنے لگا، شاہ صاحب پوچھتے ہیں میرا قصور؟ میں نے اس کو کہا شاہ صاحب سے کہو میری گالیاں اسے بچا رہی ہیں، گالیوں سے مراد یہ پنجابی گالیاں نہیں سیاسی گالیاں ہیں، اگر میں گالیاں نہ دوں تو یہ انیس قتل اس کے کھاتے میں جاتے ہیں، میں جان بوجھ کر اس کو بچانے کے لیے گالیاں دے رہا ہوں کہ یہ ہمارے کیمپ کا نہ سمجھا جائے۔ وہ اگلے دن پھر ملا تو کہنے لگا کہ جتنی مرضی نکالیں۔ ایسا اوقات یہ بھی کرنا پڑتا تھا۔ یہ میں ۱۹۷۳ء تک آیا ہوں، باقی باتیں پھر سہی ان شاء اللہ العزیز، اللھم صل علی سیدنا محمد۔

مسلمانوں اور قادیانیوں کا اصل جھگڑا

https://zahidrashdi.org/3593

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ قادیانی حضرات کے ساتھ ہمارا بنیادی تنازعہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ان دعاوی سے پیدا ہوا تھا، جب انہوں نے پہلے تو ایک مسلمان مناظر کے طور پر ہندوؤں سے، عیسائیوں سے، آریہ سماج وغیرہ سے مناظروں کا سلسلہ شروع کیا اور خود کو اسلام کے ایک متکلّم کے طور پر پیش کیا، ایک حلقہ بنایا۔ لیکن آہستہ آہستہ جب وہ دعووں کی طرف بڑھنے لگے کہ میں مہدی ہوں، میں مسیح موعود ہوں، میں عیسٰی ثانی ہوں، میں پیغمبر ہوں، اور میں خاتم النبیین ہوں، یہ بتدریج دعووں کا سلسلہ، یہاں سے مسلمان علماء تشویش کا شکار ہونے لگے، انہوں نے کہا کہ نہیں، یہ بات کبھی بھی تسلیم نہیں کی گئی اور یہ دعوے کے ساتھ بات کرنا مرزا صاحب کا ہماری روایت کے بھی خلاف ہے اور ہمارے عقائد کے خلاف ہے۔ پھر جب انہوں نے صراحتًا نبوت کا دعویٰ کر دیا کہ میں نبی ہوں، رسول ہوں، مجھ پر وحی آتی ہے، اور ساتھ یہ کہا کہ جو میری وحی کو نہیں مانتے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ تو پھر یہ بات واضح ایک رخ اختیار کر گئی کہ مسلمان الگ ہیں۔

مرزا صاحب نے خود کو مسلمانوں سے الگ قرار دیا، جب یہ کہا کہ جو مجھے نبی نہیں مانتا یا میرے دعاوی کو تسلیم نہیں کرتا وہ "دائرہ اسلام" سے خارج ہے۔ تو مرزا صاحب نے خود علیحدگی اختیار کی ملت اسلامیہ سے کہ ملت اسلامیہ جو ان کو نبی نہیں مانتی ان پر وحی کو تسلیم نہیں کرتی وہ ان سے الگ

ہے۔ اس پر علماء آہستہ آہستہ، پہلے کچھ علماء کو تردد بھی تھا، لیکن پھر بالآخر آہستہ آہستہ تمام مکاتب فکر کے علماء اس پر متفق ہو گئے کہ ان دعاوی کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی مسلمان نہیں ہیں، اور جو ان کو ماننے والے ہیں، کسی بھی حوالے سے ماننے والے ہوں، نبی مانیں یا مہدی مانیں، وہ بھی ان کے ساتھ ہی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

تو یہ بنیادی جھگڑا ہمارا مرزا صاحب کے وہ دعاوی ہیں جو انہوں نے کیے اور جن دعووں کی بنیاد پر انہوں نے ملت اسلامیہ کی تکفیر کر کے خود کو الگ قرار دیا، اب مسلمان کون ہے؟ کافر کون ہے؟ ملت اسلامیہ نے اجماعی فیصلہ جب کر لیا کہ ملت اسلامیہ تو مسلمان ہے، یہ مسلمان نہیں ہیں۔ یہ صورتحال قادیانی اب تک قبول نہیں کر رہے اور ملت اسلامیہ کو کافر کہہ رہے ہیں، خود کو مسلمان کہہ رہے ہیں۔ علیحدگی پر دونوں متفق ہیں، وہ ملت اسلامیہ کا حصہ نہیں ہیں، یہ وہ بھی مانتے ہیں۔ وہ ہمارا حصہ نہیں ہیں، ہم بھی مانتے ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان کون ہے؟ کافر کون ہے؟ پوری دنیا کی ملت اسلامیہ، تمام مکاتب فکر، اس بات پر متفق تھے اور ہیں کہ قادیانی اپنے دعووں کی بنیاد پر دائرہ اسلام سے خارج ہیں، یہ ملت اسلامیہ سے کٹے ہیں، ملت اسلامیہ ان سے نہیں کٹی۔

قادیانی دعاوی پر تو قائم ہیں، اپنی تکفیر پر بھی قائم ہیں، اپنے موقف پر بھی قائم ہیں، اور ملت اسلامیہ کو مسلمان نہ ماننے پر بھی قائل ہیں، اور اس بات پر اصرار کر رہے ہیں کہ صرف ہمیں ہی مسلمان سمجھا جائے۔ کوئی آدمی، کسی آدمی سے پوچھ لیں کہ پونے دو ارب کی ملت اسلامیہ سے کوئی دو چار لاکھ الگ ہوئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور یہ کافر ہیں، تو کامن سینس کا آدمی کیا کہے گا کہ علیحدہ یہ ہوئے ہیں یا علیحدہ وہ ہوئے ہیں؟ ایک بات یہ، جھگڑا ہمارا بنیادی یہ ہے۔

میرا سوال یہ ہے کہ ریاست کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ ریاست کا آغاز ہوا تھا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، جس کو ہم ریاست مدینہ کہتے ہیں۔ ریاست مدینہ میں حضور نبی کریمؐ کی جگہ جو سب سے پہلے حضورؐ کے جانشین بیٹھے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق اکبر، انہوں نے سب سے پہلا فیصلہ ہی یہ کیا ہے کہ منکرین ختم نبوت کافر ہیں اور منکرین زکوٰۃ کافر ہیں۔ اس پر مکالمہ بھی ہوا ہے، حضرت عمرؓ کا اور حضرت ابوبکرؓ کا مکالمہ بھی ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ کو تردد تھا منکرین زکوٰۃ کو کافر قرار

دینے پر، لیکن پھر بالآخر حضرت عمرؓ بھی متفق ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ سے۔ اور اسلامی ریاست نے تو پہلا کام ہی یہ کیا ہے کہ منکرین ختم نبوت کو اور منکرین زکوٰۃ کو کافر قرار دے کر ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا ہے، جہاد کیا ہے، اس لیے میں نہیں سمجھتا کہ یہ سوال اٹھانے کا کہاں سے محل نکل آیا کہ ریاست کو اختیار ہے یا نہیں۔ اگر ریاست سے مراد حضرت صدیق اکبرؓ والی خلافت ہے تو ریاست کا تو پہلا کام ہی یہ تھا۔

میں پاکستان کو غیر اسلامی ریاست نہیں کہتا، اسلامی ریاست ہے۔ جو ریاست ان دو بنیادوں کو تسلیم کرتی ہے کہ (۱) حاکمیت اعلیٰ اللہ کی ہے (۲) اور حکومت و پارلیمنٹ دونوں قرآن و سنت کے پابند ہیں، وہ آج کے دور میں ایک اسلامی ریاست ہے۔ پاکستان دستوری اعتبار سے اسلامی ریاست ہے، اس میں کلام کی گنجائش نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے خلافت کا آغاز کن جملوں سے کیا تھا؟ ان جملوں سے کیا تھا کہ قرآن و سنت کے مطابق چلوں تو میری اطاعت کرو، اور قرآن و سنت سے ہٹوں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں ہے۔ قرآن و سنت کے مطابق چلوں تو میرا ساتھ دو، نہیں چلوں تو مجھے سیدھا کر دو۔ وہ بنیاد جو اسلامی ریاست کی حضرت صدیق اکبرؓ نے اعلان کی تھی، پاکستان میں عملی طور پر جو کچھ بھی ہے، لیکن پاکستان دستوری طور پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے اور قرآن و سنت کی پابندی کو قبول کرتا ہے، میرے خیال میں اسلامی ریاست ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے۔

سعودی عرب نے بھی قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا ہوا ہے، مصر نے، شام نے، تمام عرب ممالک نے، انڈونیشیا نے، ملائیشیا نے، تمام مسلم ریاستیں، اور تمام عالم اسلام کے نمائندے کے طور پر ”رابطہ عالمہ اسلامی تنظیم نے پہلے اعلان کیا تھا، پاکستان نے بعد میں اعلان کیا تھا۔

یہ ۱۹۷۴ء کا فیصلہ جو ہے، ہم اسے غلط تعبیر کرتے ہیں، ہم یہ تعبیر کرتے ہیں کہ پارلیمنٹ نے کافر قرار دیا، اور پھر سوال اٹھایا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ کو اختیار ہے یا نہیں۔ یہ کہنا کہ پارلیمنٹ نے کافر ہونے کا فیصلہ کیا، نہیں۔ کافر ہونے کا فیصلہ موجود تھا، پارلیمنٹ سے مطالبہ یہ تھا کہ ملت اسلامیہ کے اس اجتماعی فیصلے کو دستوری حیثیت دو۔

تحریک تو ہوتی ہے، پاکستان کی تحریک کے پیچھے عوامی دباؤ نہیں تھا؟ کیا آزادی غلط ہو جائے گی؟ عوامی دباؤ تحریکوں میں ہوتا ہے، آپ عوامی دباؤ کی نفی کیسے کریں گے؟ یعنی جس تحریک کے پیچھے عوامی دباؤ ہو، وہ غلط ہو جاتی ہے؟ آج کے دور میں تو جس چیز کے پیچھے عوامی دباؤ ہو وہ جائز تصور ہوتی ہے کہ یہ رائے عامہ کا مطالبہ ہے، متفقہ مطالبہ ہے، جمہوری مطالبہ ہے۔ اس کا الٹ کیسے کر رہے ہیں آپ؟ ذوالفقار علی بھٹو سول سوسائٹی کا حصہ تھے یا نہیں؟ محمد علی قصوری حصہ تھے یا نہیں تھے؟ چودھری ظہور الٰہی حصہ تھے یا نہیں؟ یہ کونسے مدرسے کے طالب علم تھے؟ یہ پوری امت کا اجتماعی فیصلہ ہے۔ اور آپ بھٹو کی تقریر پڑھ لیں جو انہوں نے اسمبلی میں اس پر کی ہے، انہوں نے اس کے اسباب کیا بیان کیے ہیں؟ کہ پوری امت ایک طرف ہے، پوری ملت ایک طرف ہے۔ ملت ایک طرف ہو اور دو چار لاکھ ایک طرف ہوں، تو کیا آپ ملت کے اجتماعی موقف کو دباؤ قرار دیں گے؟ اس کو دباؤ کہہ کر مسترد کر دیں گے آپ۔ وکلاء بھی ہیں، تاجر برادری ساری کی ساری، طلباء برادری ساری کی ساری، اس کو کس دینی مدرسے کے کھاتے میں ڈالیں گے آپ؟ پوری قوم متحد تھی بھئی!

ان کو ملک کی دیگر غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ اس کیٹیگری میں رکھنا ہے، جو ان کے حقوق ہیں وہ تسلیم کرنے ہیں، ان کو قتل نہیں کرنا، ان کو شہریت سے محروم نہیں کرنا، ان کو ملک سے نہیں نکالنا، یہ کیٹیگری پاکستان بننے سے پہلے طے ہو چکی تھی اور اس کی تجویز دینے والے علامہ اقبالؒ تھے، اور علماء نے ۱۹۷۴ء میں یہ فیصلہ نہیں کیا، یہ ۱۹۵۳ء میں علماء نے مطالبہ کیا تھا کہ ہم ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتے لیکن غیر مسلم اقلیت کے طور پر ان کا معاشرتی اسٹیٹس طے کر دیا جائے۔ پارلیمنٹ نے ۱۹۵۳ء کا مطالبہ ۱۹۷۴ء میں منظور کیا، پارلیمنٹ نے کافر قرار نہیں دیا۔

اس کی بنیاد یہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی کچھ لوگوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا، قرآن کریم نے قرار دیا تھا وھم لا یؤمنون لیکن ان کے خلاف قتل کی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ اس ماحول کے مطابق ان سے احتیاط کی گئی تھی، الگ کیا گیا تھا، لیکن ان کو الگ قرار دے کر قتل کی کارروائی نہیں کی گئی تھی، میرے خیال میں اس کو بنیاد بنایا گیا ہے کہ ایسی گنجائش بھی

موجود ہے کہ غیر مسلم تو قرار دے دیں وما ھم بمؤمنین کا فیصلہ تو کر لیں لیکن قتل اور شہریت سے محروم کرنے کے درمیان کا راستہ بھی ہے، وہی راستہ اختیار کیا کہ جیسے باقی غیر مسلم اقلیتیں رہیں، یہ بھی رہیں۔

اس کی وجہ یہ خود ہیں۔ انہوں نے ۱۹۷۴ء کا فیصلہ تسلیم نہیں کیا، بائیکاٹ کیا۔ ان کے لیے تو اسمبلی کی سیٹ تھی اور بشیر صاحب احمدی قومی اسمبلی کے ممبر رہے ہیں، پنجاب اسمبلی میں سیٹ تھی، قومی اسمبلی میں سیٹ تھی۔ انہوں نے فیصلہ تسلیم کرنے کا اعلان نہیں کیا، بلکہ نہ تسلیم کرنے کا اعلان کیا، بائیکاٹ کیا، اب تک بائیکاٹ کیے ہوئے ہیں، ان کی ضد وجہ سے یہ قانون (امتناع قادیانیت ۱۹۸۴ء) نافذ کرنا پڑا کہ یہ اسلام کا نام استعمال نہ کر سکیں۔ دس سال انہوں نے ہٹ دھرمی اختیار کی اس کے بعد پارلیمنٹ نے کہا کہ نہیں اب تم باز نہیں آتے، تم اسلام کا نام اور شعائر استعمال نہیں کرو گے۔ مطلب یہ ہے کہ علامت تو ایک نے ہی استعمال کرنی ہے نا۔ کسی کا مونوگرام ہے تو جس کا وہ ہے اسی نے استعمال کرنا ہے۔ اسلام کا لفظ کوئی ایک استعمال کرے گا، یا یہ کریں گے یا ہم کریں گے۔ اگر یہ بضد رہیں کہ وہ کریں گے تو کیا پارلیمنٹ کو روکنے کا حق ہے یا نہیں؟ پارلیمنٹ نے وہ حق استعمال کیا ہے۔

میرے خیال میں توہین رسالت کے زیادہ کیس مسلمانوں کے خلاف ہیں یا عیسائیوں کے خلاف ہیں، ان کا تناسب ایک آدھ ہو گا۔ قادیانیوں کے خلاف کارروائیاں امتناع قادیانیت آرڈیننس کی وجہ سے ہوتی ہیں اور یہ آرڈیننس ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے آیا ہے، آج یہ ہٹ دھرمی چھوڑ دیں تو ہمیں ان کے حقوق سے کوئی انکار نہیں ہے۔ دستور میں اور ملت اسلامیہ کے فیصلے پر جو ان کا اسٹیٹس بنتا ہے، اس اسٹیٹس کو تسلیم کریں، اس کے تقاضوں کو پورا کریں، تو جو ان کے حقوق بنتے ہیں کسی ایک حق سے بھی انکار نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ اپنا اسٹیٹس تو تسلیم نہ کریں، اور مسلمانوں کا اسٹیٹس اختیار کر کے وہ حقوق مانگیں، یہ ممکن نہیں ہے، کیسے ہو سکتا ہے؟ دستوری اسٹیٹس تسلیم کریں اور سارے حقوق لیں، میں سب سے بڑا داعی ہوں گا ان کے حقوق کا۔

بائیکاٹ ان کا ہم نے نہیں کیا ہوا، انہوں نے ہمارا بائیکاٹ کیا ہوا ہے، اور ۱۹۷۴ء سے کیا ہوا

ہے۔ یہ اپنا ووٹ درج نہیں کروا رہے، اپنا الیکشن کا حق استعمال نہیں کر رہے، اور اس الیکشن میں بھی مرزا مسرور احمد نے اعلان کیا ہے، وہ عمران خان کے ساتھ ان کی جو بات چلی تھی، اس میں انہوں نے صاف کہا کہ ہم اس فیصلے کو نہیں مان رہے اس لیے ہم ووٹ درج نہیں کروا رہے، اس لیے ہم الیکشن کا حصہ نہیں بن رہے۔ بائیکاٹ تو انہوں نے کیا ہوا ہے۔

پچیس دسمبر کا دن

https://zahidrashdi.org/3594

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ آج پچیس دسمبر ہے اور ہمارے ہاں قومی حوالے سے دو اہم شخصیات کا تذکرہ چل رہا ہے۔

ایک تو اس حوالے سے کہ ہمارے مسیحی دوست دنیا بھر میں آج کا دن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یوم ولادت کے طور پر مناتے ہیں۔ ہمارے ہاں یوم منانے کا کوئی تصور شرعاً تو نہیں ہے، لیکن قومی اور باہمی روابط میں ایسا ہوتا ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ بھی یہ ہے کہ حضورؐ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو یہودی دس محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ رسول اللہ نے پوچھا کہ تم دس محرم کا روزہ کیوں رکھتے ہو، تو انہوں نے کہا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے آزادی ملی تھی، فرعون غرق ہوا تھا، اور بنی اسرائیل آزاد فضا میں آئے تھے، تو ہم اس آزادی کے دن کی خوشی میں روزہ رکھتے ہیں شکرانے کا۔ جناب نبی کریمؐ نے ایک جملہ فرمایا نحن احق بموسٰی منکم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے، ہم زیادہ حقدار ہیں موسیٰ علیہ السلام کے، تو حضورؐ نے بھی روزہ رکھنا شروع کر دیا تھا۔

اتنی حد تک کہ خوشی میں شریک ہونا دوسری قوموں کے، اپنے معاصر، ہمسائے کی خوشی میں شریک ہونا جناب نبی کریمؐ کی سنتِ مبارکہ ہے۔ ہم تو یوم نہیں منایا کرتے لیکن مسیحی برادری پوری دنیا میں حضرت عیسیٰؑ کی یوم ولادت کے حوالے سے آج کے دن ان کی عید ہوتی ہے، تو اس عید

کے موقع پر ان کے ساتھ خوشی میں شرکت، یہ ہمارا بھی حق ہے کہ ہمارے ملک کے شہری بھی ہیں، اور دنیا کی ایک بڑی برادری ہے۔

عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف ان کے پیغمبر نہیں ہیں، اصلاً پیغمبر تو ہمارے ہیں۔ قرآن کریم نے حضرت عیسٰیؑ کا جس قدر تعارف کروایا ہے شاید کسی اور جگہ یہ تعارف نہ ہو۔ وہ پیغمبر تو ہیں ہی، لیکن مستقبل میں بھی ہمارے عقیدے کے مطابق وہ تشریف لائیں گے، امت مسلمہ کی قیادت فرمائیں گے، امت مسلمہ کی مدد فرمائیں گے، امت محمدیہ کی دوبارہ خلافت بحال کروائیں گے امام مہدیؒ کے ساتھ مل کر۔ باقی انبیاء تو ہمارے ماضی کے انبیاء ہیں، ہماری عقیدت، محبت، ایمان، احترام سب کے لیے ہے، لیکن عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام تو مستقبل کے حوالے سے بھی ہمارے نبی ہیں کہ ہماری انہوں نے قیادت فرمانی ہے، ہماری رہنمائی فرمانی ہے۔ اور امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کی جو دو بڑی شخصیتیں نمائندہ ہوں گی، امام مہدیؒ اور حضرت عیسٰیؑ، ان میں بڑی شخصیت حضرت عیسٰیؑ کی ہے۔ تو اس حوالے سے حضرت عیسٰیؑ کے ساتھ محبت، ایمان، عقیدت ہمارا بھی اسی طرح ہے اور ان کی تعلیمات آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

دوسری شخصیت قومی حوالے سے جو آج پچیس دسمبر کو یاد کی جاتی ہے وہ ہمارے بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مرحوم جو ہمارے قومی لیڈر تھے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان سے یہ خدمت لی کہ انہوں نے مسلم قوم کو اکٹھا کیا اور ہندوؤں کے عزائم کو بھانپتے ہوئے مسلم امہ کے لیے الگ ملک کا مطالبہ کیا، اور الگ ملک کا صرف مطالبہ نہیں کیا بلکہ اس کی بنیادیں بھی واضح کیں کہ یہ اسلام کے لیے، اسلامی نظام کے تجربے کے لیے، قرآن و سنت کے احکام کے لیے، شریعت کی بالادستی کے لیے، قائداعظم نے پاکستان کی قیادت بھی کی اور پاکستان کے اہداف بھی واضح کیے۔

بعض لوگ یہ مغالطہ پھیلاتے ہیں کہ قائداعظم نے یہ ساری باتیں پاکستان بننے سے پہلے لوگوں کو ساتھ ملانے کے لیے کی تھیں۔ یہ خود قائداعظم محمد علی جناح پر زیادتی ہے، یہ کہنا ان کو اپنے اوپر قیاس کرنا ہے ایک سیاستدان کے طور پر، کہ وہ وقتی قسم کی بات کرنے کے عادی تھے، نہیں، قائد اعظمؒ نے قیام پاکستان سے پہلے بھی پاکستان کا مقصد واضح کیا، اور قیام پاکستان کے بعد اپنی وفات

سے ایک مہینہ پہلے انہوں نے اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے جو تقریر کی، میں سمجھتا ہوں کہ وہ تقریر قائداعظم کی پوزیشن کو دوٹوک واضح کرنے کے لیے کافی وشافی ہے۔ انہوں نے اسٹیٹ بینک کا افتتاح کرتے ہوئے، اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے جو تقریر کی کہ میں پاکستان میں مغربی اصولوں کے مطابق نہیں، اسلام کے اصولوں کے مطابق معاشی نظام چاہتا ہوں، اسلام کے معاشی اصولوں کو یہاں نافذ دیکھنا چاہتا ہوں، اور انہوں نے یہ کہا تھا کہ میں اپنے معاشی ماہرین سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق معیشت کا ڈھانچہ استوار کریں گے۔

تو وہ ہمارے قومی لیڈر تھے، ملک کے بانی تھے، آج ان کا یوم وفات بھی ہے، تو یہ بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کی وہ جدوجہد اور ان کے وہ خطابات جو انہوں نے پاکستان کے قیام کے مقصد کو واضح کرتے ہوئے فرمائے تھے، ان کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا جائے۔ اور پوری قوم کی ذمہ داری ہے کہ ان کی طرف ہم اپنا رخ واپس کریں۔ ہم ان کے راستے سے ہٹ گئے ہیں، علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کو ہم اپنا بڑا لیڈر تو کہتے ہیں لیکن ان کے افکار و تعلیمات کی طرف ہم توجہ نہیں دے رہے، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی جو تعلیمات تھیں، جو پاکستان کے بارے میں ان کے ارشادات تھے، جو انہوں نے پالیسی کے طور پر، اور جو انہوں نے اہداف کے طور پر باتیں بیان فرمائی تھیں، ان کو مشعل راہ بنایا جائے، اور ان کے لیے دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں، اور پاکستان کو ان کی امنگوں اور ان کی توضیحات کے مطابق ایک صحیح اسلامی ریاست کی شکل دیں۔ اللھم صل علیٰ سیدنا محمد۔

ائمہ وخطباء کیلئے سرکاری خطبہ کی پابندی

https://zahidrashdi.org/3596

دو تین دن سے ایک خبر گشت کر رہی ہے کہ حکومت پاکستان نے ملک بھر میں مساجد کے ائمہ اور خطباء کو اس بات کا پابند بنانے کا پروگرام بنایا ہے کہ وہ حکومت کی طرف سے بھیجا ہوا خطبہ

پڑھیں گے اور اپنی طرف سے مسجد میں کوئی تقریر نہیں کر سکیں گے۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، اس سے پہلے بھی دو تین دفعہ اس کی کوشش ہو چکی ہے، لیکن یہ ناقابل عمل بات ہے اور درست بھی نہیں ہے۔ درست اس لیے نہیں ہے کہ ایک تو ہماری روایات کے خلاف ہے، خلافت راشدہ سے لے کر خلافت عثمانیہ تک، مغل سلطنت تک، کبھی ایسا نہیں ہوا، امیر المومنین ہوتے تھے، خلافت تھی، اور ہندوستان میں اگرچہ بادشاہت تھی لیکن عدالتوں کے فیصلے قرآن و سنت کے مطابق ہوتے تھے، حتیٰ کہ اکبر کے دور میں جب خود اکبر نے الحاد کا راستہ اختیار کیا تھا، تب بھی عدالتوں کے فیصلے قرآن و سنت کے مطابق ہی ہوتے تھے۔ اس دور میں بھی ہماری تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ائمہ کو اور خطباء کو اس بات کا پابند بنایا گیا ہو کہ وہ حکومت کے بھیجے ہوئے خطبے پڑھیں، یہ ہماری روایت کے خلاف ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر حکومت خود اسلام پر عمل پیرا ہو تو اس کی بات دینی معاملات میں سنی جا سکتی ہے کسی حد تک۔ لیکن جو حکومت خود اسلام سے گریزاں ہو، ایک ہے کہ عمل پیرا نہیں ہے، نہیں، خود اسلام سے گریزاں ہے، ہمارا حکومتی نظام، ہماری اسٹیبلشمنٹ، ہماری رولنگ کلاس، گزشتہ ستر سال سے رسے تڑوا رہی ہے کہ کسی طرح اسلام کے نظام سے جان چھوٹ جائے، اور دستور میں جن باتوں کا پابند کیا گیا ہے ان کو، ان کے لیے بھی یہ تیار نہیں ہیں:

- دستور ان کو پابند بناتا ہے کہ ملک میں سودی نظام ختم کریں۔ یہ حیلے بہانے کر کے، مختلف جوڑ توڑ کر کے، اب تک اس دستوری فیصلے سے جس کو سپریم کورٹ کے فیصلے کی تائید بھی حاصل ہے، یہ اس سے منحرف ہیں اور انکاری ہیں۔
- دستور ان کو پابند بناتا ہے کہ ملک کے تعلیمی نظام میں قرآن و سنت کی اور اسلامی شریعت کی تعلیم کا اہتمام کریں، یہ اس سے جان چھڑا رہے ہیں۔
- ملک کا دستور ان کو پابند بناتا ہے کہ عربی زبان جو ہماری مذہبی زبان ہے، اس کی ترویج کا اہتمام کریں، یہ اس سے پیچھا چھڑا رہے ہیں۔
- ملک کا دستور ان کو پابند بناتا ہے کہ ملک میں اسلامی معاشرہ اور اسلامی تہذیب کے فروغ

کی کوشش کریں، یہ اس کے مقابلے میں مغربی تہذیب، مغربی ثقافت اور عریانی وفحاشی کی سرپرستی کررہے ہیں۔

- ملک کا دستور ان کو پابند بناتا ہے کہ حرام چیزوں پر پابندی لگائیں، یہ شراب پر پابندی کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ شراب کے حوالے سے گزشتہ روز قومی اسمبلی میں جس ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ ہم شراب پر پابندی لگانے کے حق میں نہیں ہیں۔

اس فضا میں یہ کس طرح کہتے ہیں کہ ہم اسلامی حکومت ہیں۔ میں ایک بات کی وضاحت کرنا چاہوں گا کہ دستور اسلامی ہے اور پاکستان دستوری طور پر ایک اسلامی ریاست ہے، لیکن موجودہ حکومت اسلامی حکومت نہیں ہے، اپنے اعمال کی وجہ سے اور دستوری تقاضوں کو پامال کرنے کی وجہ سے۔ اسلامی حکومت ہوتی تو بات اور تھی۔ یہ خود تو اسلام کی کوئی پابندی قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں، دستور کا کوئی حکم ماننے کو تیار نہیں ہیں، اور ملک کے ائمہ اور خطباء کو پابند کرنا چاہتے ہیں کہ وہ دین کے معاملے میں، نماز کے معاملے میں، خطبہ جمعہ کے معاملے میں، خطبہ عید کے معاملے میں، ان کی پابندی قبول کریں، یہ کیسے ممکن ہے؟

میں حکمرانوں سے عرض کروں گا کہ اپنی ذمہ داری دیکھیں کہ تمہاری ذمہ داری کیا ہے؟ تمہاری ذمہ داری وہی ہے جو آپ لوگ کررہے ہیں۔ دستور کی اسلامی دفعات پر عملدرآمد میں آپ نے اب تک کسی سنجیدگی کا مظاہرہ کیا ہے؟ آپ نے تو دستور کا یہ حکم بھی ابھی تک نہیں مانا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو قومی اور صوبائی اسمبلی میں لاکر قانون سازی کی جائے، آپ اس کے لیے تیار نہیں ہیں، اور ہمیں کہہ رہے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ آپ سے پوچھ کر دیں، یار خدا کا خوف کرو، کوئی انصاف کی بات کرو، یہ بات درست نہیں ہے۔ حکمرانوں کو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنی چاہیے اور وہ لوگ جو ان کو باہر سے ایجنڈا بھیجتے ہیں، ان سے کہنا چاہیے کہ بھئی! ہمارے ملک کا دستور، ہماری قوم کا مذہب، ہماری قوم، رائے عامہ، اس کے لیے تیار نہیں ہے۔ آپ کہہ دیں ان سے کہ بھئی ہمیں کیوں مجبور کرتے ہو ہماری قومی روایات کے خلاف، اسلامی احکام کے خلاف، اور ہمارے تاریخی تسلسل کے خلاف۔ یہ جو آپ کو مجبور کرنے والے ہیں ان کو جواب

دیجئے، قوم پر دباؤ مت ڈالیے۔ امید ہے کہ حضرات میری گزارش پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے۔

اور بعض احباب نے اس پر کچھ سوالات اٹھائے ہیں اور تقاضا کیا ہے کہ میں ان سوالات کے جوابات بھی اس کے ساتھ شامل کروں۔

۱. مثلاً ایک سوال یہ ہوا ہے کہ میں نے پاکستان کی حکومت کو غیر اسلامی کہا ہے، یہ کیوں کہا ہے؟ میں اپنے موقف کی ایک بار پھر وضاحت کر دیتا ہوں، میں نے گزارش کی ہے کہ پاکستان اپنے دستور کے اعتبار سے ایک اسلامی ریاست ہے، لیکن دستور کی اسلامی دفعات پر عمل نہ کرنے والی حکومت، اسلامی حکومت نہیں ہے۔ یہ ایسے ہی سمجھ لیں جیسے پاکستان دستور کے اعتبار سے اسلامی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جمہوری ملک بھی ہے، اور پاکستان بننے کے بعد سے اب تک ہر دستور میں یہ جمہوری حیثیت تسلیم کی گئی ہے اور پاکستان بدستور جمہوری ملک چلا آ رہا ہے۔ لیکن درمیان میں مارشل لاء کے جتنے مراحل آئے ہیں اور جمہوری حقوق معطل کیے گئے ہیں اور جمہوری دفعات پر عملدرآمد نہیں ہوتا رہا، ان مارشل لاء کی حکومتوں کے دور کو جمہوری حکومتیں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ بالکل اسی طرح جیسے جمہوری دفعات کو معطل کرنے والی اور جمہوری دستور پر عمل نہ کرنے والی حکومتیں جمہوری نہیں کہلاتیں۔ بالکل اسی طرح پاکستان ایک اسلامی ملک ہے، دستور اسلامی دستور ہے، لیکن دستور کی اسلامی دفعات کو معطل کرنے والی اور اسلامی دفعات پر عمل نہ کرنے والی حکومتیں بھی اسلامی حکومت نہیں کہلا سکتیں۔ گزشتہ ستر سال سے ہمارے ساتھ یہی معاملہ چلا آ رہا ہے۔

۲. دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ خطبے تو وزارت مذہبی امور نے لکھنے ہیں، اور ظاہر بات ہے کہ وزارت مذہبی امور علماء سے لکھوائے گی، تو اس پر کیا اعتراض ہے؟ میں گزارش کرتا ہوں کہ وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان کا حصہ ہے، حکومت پاکستان کی اجتماعی پالیسی سے الگ نہیں ہے۔ پالیسی تو حکومت نے طے کرنی ہے، وزارت مذہبی امور عملدرآمد کے لیے ہے، اس لیے وزارت مذہبی امور کو اس کے مذہبی امور کے ٹائٹل کی وجہ سے

حکومت پاکستان کی عمومی پالیسی سے الگ نہیں کیا جا سکتا، نہ الگ طور پر دیکھا جا سکتا ہے، اسی کا حصہ ہے، اور جو عمومی رائے یا دینی رائے حکومت پاکستان کے حوالے سے ہوگی وہی اس کے ایک حصے وزارت مذہبی امور کے حوالے سے ہوگی۔

۳. تیسرا سوال یہ اٹھایا گیا ہے کہ سعودی عرب میں خطبات لکھ کر دیے جاتے ہیں اور وہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو یہاں کیوں نہیں ہو سکتا؟ میں اس پہلو پر بحث نہیں کروں گا لیکن ذکر کر دیتا ہوں کہ سعودی عرب میں بادشاہت کا نظام ہے، پاکستان میں جمہوری نظام ہے، بادشاہت کے تقاضے اور ہوتے ہیں، جمہوری نظام کے تقاضے اور ہوتے ہیں۔ لیکن میں اس بحث میں پڑے بغیر صرف یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ سعودی عرب میں صرف خطبہ لکھنے والی بات تو نہیں ہے، سعودی عرب کی حکومت اور بھی بہت سے کام کرتی ہے۔ مثلاً:

- سعودی حکومت میں عدالتوں میں شرعی قوانین نافذ ہیں، فیصلے قرآن و سنت کے مطابق ہوتے ہیں، وہاں تمام حدود نافذ ہیں، وہاں قصاص نافذ ہے، وہاں عملدرآمد ہوتا ہے، چور کا ہاتھ کٹتا ہے، قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے، زانی کو سنگسار اور کوڑے لگتے ہیں، یہ سارے قوانین نافذ ہیں۔
- سعودی عرب میں بنیادی طور پر ہر شہری کو قرآن و سنت کی بھرپور تعلیم دی جاتی ہے، اور انٹرمیڈیٹ تک قرآن و سنت اور فقہ کی تعلیم لازمی ہے۔
- اسی طرح سعودی عرب میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سرکاری نظام قائم ہے، اور پورے سعودی عرب میں فواحش و منکرات پر قدغن لگائی جاتی ہے، اور باقاعدہ ایک محکمہ ان کی نگرانی کرتا ہے اور اس پر کارروائیاں کرتا ہے۔

یہ ساری باتیں سعودی عرب کی کیوں نظر نہیں آ رہیں؟ صرف ایک بات نظر آ رہی ہے کہ سعودی عرب میں خطبہ لکھ کر دیا جاتا ہے اور خطباء وہ خطبہ پڑھنے کے پابند ہوتے ہیں۔ میں یہ عرض کروں گا کہ صرف ایک بات اپنے مطلب کی لے کر اس پر فوکس نہیں کرنا چاہیے، مجموعی

صورتحال دیکھیں۔ اگر سعودی عرب کا باقی نظام بھی آپ اپنا لیتے ہیں، جو سعودی عرب کا نظام ہے، محکمہ تعلیم میں بھی، اور عدالتوں میں بھی، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں بھی، اور دوسرے معاملات میں بھی، تو پھر آپ اگلی بات بھی کریں۔ اور تو کوئی بات آپ سعودی عرب کی فالو نہیں کر رہے اور صرف ایک بات آپ کو یاد آگئی ہے کہ وہاں خطبے لکھ کر دیے جاتے ہیں اور خطبے لکھے ہوئے پڑھے جاتے ہیں۔

میں گزارش کروں گا کہ حکومت پاکستان کو اپنی مجموعی پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ جو دستور کی اسلامی دفعات کے حوالے سے ستر سال سے ہماری حکومتوں کی پالیسی، ایک آدھ کو چھوڑ کر، یہی چلی آرہی ہے کہ ان کو نظر انداز کیا جائے، ان کو معطل رکھا جائے، ان میں سے کسی پر عمل نہ کیا جائے۔ اس پس منظر میں یہ تجویز قبول نہیں کی جا سکتی کہ حکومت سرکاری طور پر خطبے لکھ کر دے اور علماء اس کے پابند ہوں، اس صورتحال میں یہ قابل قبول نہیں ہے۔

فکری و تہذیبی تحدیات کے تین اسباب

https://zahidrashdi.org/3601

عربی میں تحدیات کہتے ہیں، انگلش میں چیلنجز کہتے ہیں۔ چیلنجز ہمارے فکری بھی ہیں، ثقافتی بھی ہیں، سیاسی بھی ہیں، سائنسی بھی ہیں، علمی بھی ہیں، ہمہ نوع تحدیات ہیں، ہر شعبے میں ہمیں چیلنجز کا سامنا ہے، رکاوٹوں کا سامنا ہے اور مسائل کا سامنا ہے۔ ایک ہے تحدیات کی فہرست کہ ہمیں جو چیلنجز درپیش ہیں وہ کون کون سے ہیں؟ اگر اس سے تھوڑا سا آگے بڑھ کر یہ دیکھیں کہ یہ تحدیات کیوں ہیں؟ تو میں ان سرچشموں کی نشاندہی کرنا چاہوں گا جہاں سے یہ تحدیات پیدا ہوتی ہیں، جہاں سے یہ چیلنجز نمودار ہوتے ہیں اور پھر پھیلتے چلے جاتے ہیں۔

جہاں تک تحدیات کے پھیلتے چلے جانے کا مسئلہ ہے، حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی ایک بڑی حویلی کی دیوار پر کھڑے تھے، ہم سب نیچے کھڑے تھے، حضورؐ نے یوں فضا کی طرف دیکھا، فرمایا، کیا تم وہ چیزیں دیکھ رہے ہو جو مجھے نظر آرہی ہیں؟ یا

رسول اللہ! نہیں۔ فرمایا، میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ فتنے آزمائشیں تمہارے گھروں کے صحنوں میں ایسے برس رہے ہیں جیسے بارش برستی ہے۔ یہ کثرت بھی ہے اور تسلسل بھی ہے، آپ نہ گن سکتے ہیں، نہ ترتیب قائم کر سکتے ہیں، اور نہ روک سکتے ہیں۔ ہماری اس وقت ہماری صورتحال یہ ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ہمیں فکری وعلمی اور تہذیبی طور پر جو چیلنجز درپیش ہیں، ان کی وجہ کیا ہے؟ تین باتیں عرض کروں گا جو ہمارے چیلنجز کا باعث ہیں اور ہمارے چیلنجز کا سرچشمہ ہیں جہاں سے یہ پھوٹتے ہیں۔

(۱) پہلی بات ہماری بے خبری ہے۔ ہم دنیا کے ہر فن کے بارے میں بنیادی تعلیم حاصل کریں گے، لیکن دین کے بارے میں نہیں کریں گے۔ دین کے بارے میں ہماری معلومات کا دائرہ سطحی ہوگا۔ علم کا نہیں ہوگا، معلومات کا ہوگا۔ میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کروں گا، فلسفے کی تعلیم حاصل کروں گا، تو اس کی جو بیسک ایجوکیشن ہے اس کے بغیر آگے نہیں بڑھوں گا۔ اور دین کے بارے میں میری معلومات کا ذریعہ سنی سنائی باتیں، یا اخبارات کی رسائل کی دیکھی بھالی باتیں ہوں گی۔ یہ ایک فرق میں اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے ذہن میں ڈالنا چاہتا ہوں کہ ہمارا مزاج یہ بن گیا ہے کہ دنیا کے ہر فن کی تعلیم حاصل کریں گے تو پہلے بیسک ایجوکیشن حاصل کریں گے اس کے بعد آگے بڑھیں گے، لیکن دین کے بارے میں مطالعہ اور سننا یہ ہماری بنیاد ہے، بیسک ایجوکیشن ہمارے پاس نہیں ہوتی اور ہم کنفیوژن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آپ انجینئرنگ کی بیسک ایجوکیشن حاصل کیے بغیر، مطالعے کی بنیاد پر انجینئر بننا چاہیں، بن جائیں گے؟ وکالت کی، قانون کی بیسک ایجوکیشن حاصل کیے بغیر، مطالعے کی بنیاد پر، سوشل میڈیا کی بنیاد پر، اخبارات کی بنیاد پر وکیل بننا چاہیں، بن جائیں گے؟

یہ ہماری بے خبری ان ساری غلط فہمیوں کی بنیاد ہے۔ جب تک ہم اس بارے میں وہ اصول نہیں اختیار کرتے جو باقی علوم کے بارے میں اختیار کرتے ہیں، جو سائنس کے بارے میں، انجینئرنگ کے بارے میں، فلسفے کے بارے میں، میڈیسن کے بارے میں، جو اصول ہمارا جو طرز عمل باقی علوم کے بارے میں ہے، وہ طرز عمل ہم اسلام کے بارے میں، قرآن کے بارے

میں، حدیث و سنت کے بارے میں اختیار نہیں کریں گے، ہماری یہ کنفیوژن بڑھتی رہے گی۔ بے خبری سے پیدا ہونے والی کنفیوژن بڑی خطرناک ہوتی ہے اور بڑی خوفناک ہوتی ہے۔ یہ ایک وجہ میں نے عرض کی ہے۔

(۲) دوسری بات کہ تھوڑی بہت جو معلومات ہم حاصل کرتے ہیں، ہمارے پاس جو تھوڑا بہت ذخیرہ ہوتا ہے، وہ اصل مآخذ سے نہیں ہوتا۔ علم تو بعد کی چیز ہے، ہماری معلومات کا ذریعہ بھی اور یجنل سورسز نہیں ہوتے۔

مثال کے طور پر ایک بات بتانا چاہوں گا۔ ہماری ایک بڑی محترم شخصیت کی زبان سے ایک بات نکل گئی کہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام تاریخ کی گمنام شخصیت ہیں۔ شور مچ گیا ملک میں، میں نے کہا یار بات وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ عیسٰی علیہ السلام، جہاں سے انہوں نے پڑھا ہے ان کے نزدیک وہ گمنام شخصیت ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کہتا ہے کہ ہمارے پاس عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں دو تین واقعات کے سوا کوئی مستند مواد نہیں ہے۔ اب یہ جملہ جو پڑھے گا وہ عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا؟ میرے وہ بھائی اگر عیسٰی علیہ السلام کو قرآن کریم سے پڑھتے تو ہر چیز مل جاتی۔ قرآن کریم میں عیسٰی علیہ السلام کا تذکرہ پڑھا ہوتا تو یہ بات کہنے کا موقع نہ آتا۔ میں نے یہ بات بطور مثال کیوں کہی ہے؟ کہ اول تو علم کے ساتھ ہمارا تعلق نہیں ہے، اور معلومات کا مآخذ ہمارا اصل نہیں ہے۔

ایک اور مثال دوں گا کہ پنجاب یونیورسٹی میں ایک موقع پر ایک سیمینار میں میرے ایک بھائی گفتگو فرما رہے تھے اسلامی تہذیب پر۔ اور وہ اسلامی تہذیب و ثقافت کی بڑے خوبصورت انداز میں تعریف کر رہے تھے، اس کے اثرات دنیا پر بیان کر رہے تھے، لیکن عرب تہذیب کہہ کر کہ عرب تہذیب تھی، عربوں نے ایک اچھا دور گزارا ہے اور دنیا پر اثرانداز ہوئے ہیں۔

جب فارغ ہوئے تو میں نے کہا میرے بھائی! آپ نے اسلامی تہذیب پر بنیادی کتاب کون سی پڑھی ہے؟ کہتے ہیں ہٹی کی "عرب اور اسلام"۔ فلپ کے ہٹی مستشرق ہے، میں نے کہا بھئی! وہ تو یہی بتائے گا آپ کو۔ فلپ کے ہٹی کی "عرب اور اسلام" میں نے پڑھی ہے اور اس پر میں نے نقد

کیا تھا اور میرا اس پر مقالہ چھپا ہے کہ اس نے کہاں کہاں کیا کیا گڑبڑ کی ہے۔ ہٹی کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ اسلام انسانیت کا مذہب نہیں، عربوں کا مذہب ہے۔ عرب تہذیب تھی جس کو عروج ملا اور عربوں کے کلچر نے دنیا پر غلبہ پالیا، ان کا دور ختم ہو گیا ہے، اب کسی اور کلچر کی باری ہے۔ میں نے اس سے کہا میرے بھائی! آپ نے ہٹی کو پڑھا ہے اسلام کو سمجھنے کے لیے تو ہٹی تو آپ کو یہی اسلام پڑھائے گا۔ میں نے کہا کہ اس پر میں نے ۱۹۶۷ء میں نقد لکھا تھا طالب علمی کے زمانے میں۔

اسلام عرب کلچر کا نام نہیں ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا خطاب جو پیغمبر کے طور پر کیا تھا وہ کیا تھا، صفا میں کھڑے ہو کر؟ حضورؐ کی دعوت کا تعلیم کا سب سے پہلا جملہ کیا ہے؟ ''ایھا الناس''۔ اور پھر اس سے بیس اکیس سال کے بعد منٰی میں کھڑے ہو کر حجۃ الوداع میں حضورؐ نے جو احکام و قواعد بیان کیے، یا ایس او پیز بیان کیے قوموں کے، وہ عرب قوم کے بیان کیے تھے یا بین الاقوامی بیان کیے تھے؟ لیکن آج ہمارے نوجوان بھی غلط فہمی کا شکار ہیں کہ عرب تہذیب تھی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اسلام کو آپ اوریجنل سورسز سے نہیں پڑھو گے تو یہی ہو گا پھر۔ کسی بھی چیز کو اوریجنل سورسز سے نہیں پڑھو گے تو یہی نتیجہ دیں گی، جو آپ کے ذہن میں ڈالے گا لکھنے والا وہی آپ کا ذہن بن جائے گا، وہی آپ کی فکر بنے گی۔

(۳) تیسری اور آخری بات کہ ہم اپنے ماضی سے کٹے ہوئے ہیں۔ ہمیں نام یاد ہیں، کسی کی خدمات یاد نہیں۔ میں دوسری لائن کی بات نہیں کروں گا، آپ کی اپنی لائن کی بات کروں گا۔ سرسید کا نام ہم لیتے بھی ہیں، پڑھتے بھی ہیں، سنتے بھی ہیں۔ سرسید کی کسی نے لائف پڑھی ہے، یا اس کی جدوجہد پڑھی ہے؟ میں بالکل شرح صدر کے ساتھ کہتا ہوں کہ برصغیر میں ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے میں سرسید کا بہت بڑا کردار ہے، آپ اس کردار کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ مسلم تہذیب کے تحفظ کی بات سب سے پہلے یہاں ۱۸۵۷ء کے بعد کس نے کی ہے؟ سرسید نے تہذیب کی لڑائی لڑی ہے میرے بھائی۔ عقیدے کی لڑائی ہم مولوی لڑتے رہے ہیں لیکن تہذیب کی لڑائی، کلچر کی لڑائی، مسلم ثقافت کی لڑائی سرسید نے لڑی ہے، حالی نے لڑی ہے، نواب بہادر یار جنگ نے لڑی ہے، محمد علی جوہر نے لڑی ہے، شوکت علی نے لڑی ہے، یہ

سب علی گڑھ کے لوگ ہیں۔ اقبال کا ہم نام لیتے ہیں، اقبال کو پڑھا بھی ہے؟

ہم اپنے ماضی سے بالکل لاتعلق ہیں۔ میں اپنے بچوں اور بچیوں سے کہوں گا کہ چلو ماضی بعید تو بہت دور کی بات ہے اپنے پچھلے سو سال کا ماضی تو پڑھ لیں۔ ہمارے ماضی کے پچھلے ڈیڑھ دو سو سال کے بزرگوں میں کس کس نے کیا کردار ادا کیا؟ آپ سرسید کو، حالی کو، جوہر کو، اقبال کو، قائداعظم کو صحیح معنوں میں پڑھ لیں گے، مجھ سے آگے کھڑے ہوں گے آپ اس تہذیب کے تحفظ کے لیے۔

چیلنجز کہاں سے پیدا ہوتے ہیں، کنفیوژنز کہاں سے ابھرتی ہیں، میں نے تین اسباب ذکر کیے ہیں۔ (۱) بے خبری (۲) اور جو تھوڑی بہت خبر ہے وہ اوریجنل سورسز سے نہیں (۳) اور تیسری بات کہ ہم اپنے ماضی قریب سے لاتعلق ہیں، ماضی بعید تو بہت دور کی بات ہے۔

قومی سیرت کانفرنس اور جناب وزیراعظم کی تقریر

https://zahidrashdi.org/3604

انٹرنیشنل سیرت کانفرنس جو وفاقی وزارت مذہبی امور کے زیر اہتمام اسلام آباد میں دو دن منعقد ہوئی ہے اس کے حوالے سے دو تین گزارشات عرض کرنا چاہ رہا ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کانفرنس کا انعقاد ہر سال ہوتا ہے، ماشاء اللہ اس دفعہ بھی ختم نبوت کے عنوان سے ہوا ہے، بہت اچھی بات ہے، اور اس میں ہمارے محترم دوست مولانا ڈاکٹر احمد علی سراج نے جس جرات اور حوصلے کے ساتھ ختم نبوت کے تقاضوں کی طرف توجہ دلائی ہے وہ تحسین کے مستحق ہیں۔

اس کے ساتھ ہی وزیراعظم عمران خان صاحب نے جو گفتگو کی ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے حوالے سے، ریاست مدینہ کے حوالے سے، فلاحی ریاست کے حوالے سے، اور اس حوالے سے کہ ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے عالمی سطح پر قانون سازی کی ضرورت ہے۔ اور یہ بات کہ (۱) انبیاءؑ کی توہین بھی (۲) اور مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنا بھی۔

یہ دونوں آزادئ رائے کے اظہار کے دائرے میں نہیں آتے، اور یہ جرم ہیں۔ اس پر پاکستان کی حکومت کا یہ اعلان کہ ہم دنیا بھر میں کمپین کریں گے اور عالمی سطح پر اس کو قانون سازی کے دائرے میں لانے کی کوشش کریں گے۔ یہ بڑا اچھا اعلان ہے۔ اور یونیورسٹیوں میں سیرت چیئرز قائم کرنے کا حوالہ بھی بہت اچھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وزیراعظم عمران خان صاحب نے جو گفتگو کی ہے، وہ گفتگو تو ہمارے دلوں کی آواز ہے۔ خدا کرے کہ اس کے لیے وہ عملی اقدامات کر پائیں۔

اس کے ساتھ میں ایک پہلو کی طرف اور توجہ دلانا چاہوں گا کہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کی زبان سے یہ بات نکلی ہے کہ ان کے بارے میں ہیومن ہسٹری میں کوئی زیادہ تفصیلات نہیں ہیں۔ میرے خیال میں یہ بات درست نہیں ہے۔ میں عمران خان صاحب کو توجہ دلانا چاہوں گا۔ اصل بات یہ ہے کہ شاید ان کے ذہن میں، ان کی نظر سے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گزرا ہو جس میں حضرت عیسٰیؑ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ان کی حیات کے بارے میں دو تین واقعات کے سوا کوئی مستند مواد ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔

اصل میں ہماری ایک کمزوری یہ ہے کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے پاس حضورؐ کی سیرت کے بارے میں، صحابہؓ کے بارے میں، خلفاء راشدینؓ کے بارے میں، ریاست مدینہ کے بارے میں بھی سورس مغربی ذرائع ہیں۔ جب ہم برٹانیکا پڑھ کر حضرت عیسٰیؑ کے بارے میں سوچیں گے تو یہی ذہن بنے گا۔ میں اس کو مجبوری سمجھتا ہوں۔ یہ درخواست ہوتی ہے میری اپنے جدید تعلیم یافتہ حضرات سے کہ اسلام کی تاریخ کو، ریاست مدینہ کو، سیرت طیبہ کو، اور خلافت راشدہ کو ویسٹرن سورسز سے نہیں پڑھیں۔ اپنے پاس ہمارے اپنے ذرائع موجود ہیں۔ ہمارا سورس قرآن کریم ہے، بخاری شریف ہے، صحاح ستہ ہے، اسلامی تاریخ ہے۔ یہ برٹانیکا ہمارا سورس نہیں ہے، ٹھیک ہے ایک اچھا سورس ہے، میں اس کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن ہمارے اپنے ماضی سے واقفیت کے لیے ہمارے پاس سورسز اپنے موجود ہیں، بڑے مستند موجود ہیں اور بڑے اعتماد کے ساتھ موجود ہیں، ہمیں اپنے سورسز سے اپنی تاریخ پڑھنی چاہیے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید برٹانیکا کا یہ جملہ ان کے ذہن سے کہیں چپک گیا کہ حضرت عیسٰی علیہ

السلام کے بارے میں دو چار واقعات کے سوا کوئی مستند مواد موجود نہیں ہے۔ حالانکہ خود قرآن کریم نے اتنی تفصیل کے ساتھ عیسٰی علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں، ان کی بچپن میں گفتگو کے بارے میں، ان کی حیات طیبہ کے بارے میں، ان کی دعوت کے بارے میں اتنی تفصیلات قرآن کریم نے بیان کی ہیں، اور احادیث میں، بخاری شریف میں اور دوسری کتابوں میں بڑی تفصیلات موجود ہیں، تو وہ اگر نظر میں ہوتیں تو شاید یہ جملہ ہمارے وزیراعظم صاحب نہ فرماتے۔ میری مجبوری یہ ہے کہ میں یہ نہیں دیکھتا کہ ایک صاحب نے کیا کہا ہے، میں یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ کیوں کہا ہے، ان کے کہنے کی وجہ کیا ہے؟

باقی یہ میں عرض کرنا چاہوں گا کہ

۱. یہ بات بہت اہم ہے جو انہوں نے کہی ہے کہ عالمی سطح پر (۱) ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے بھی (۲) اور مسلمانوں کے جذبات کے احترام کے لیے بھی۔ یہ دو مستقل مسئلے ہیں، یہ دونوں ہمارے بنیادی تقاضے ہیں۔ اس پر اگر حکومت پاکستان عالمی سطح پر مہم چلاتی ہے اور عالمی سطح پر قانون سازی کی کوشش ہوتی ہے تو یہ بہت اچھی بات ہوگی۔

۲. اور یونیورسٹیوں میں اگر سیرت چیئرز قائم ہوتی ہیں تو یہ بھی ہماری نئی نسل کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے حوالے سے براہ راست واقف کرانے کی ایک اچھی کوشش ہوگی۔

بہر حال میں مجموعی طور پر اس تقریر کا خیر مقدم کرتا ہوں، اس مغالطے کے ازالے کے ساتھ، کہ مجموعی طور پر طور پر یہ بات اچھی ہوئی ہے۔ اور میں دعاگو ہوں کہ اللہ رب العزت ان خیالات پر ان ارادوں پر حکومت پاکستان کو قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

قائداعظمؒ پاکستان کو کیسا ملک بنانا چاہتے تھے؟

https://zahidrashdi.org/3511

سوال: یہ بتائیے کہ یہ جو لبرل طبقے کی طرف سے پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ قائداعظم پاکستان کو

ایک لبرل اور سیکولر کنٹری بنانا چاہتے تھے اور وہ کوئی مذہبی ریاست کا قیام نہیں چاہتے تھے، اس بارے میں کیا کہتے ہیں آپ؟

جواب: پاکستان کے قیام کی بنیاد کیا ہے، بیس کیا ہے؟ کہ ہم مسلمان ہیں، ہندوؤں کے ساتھ نہیں رہ سکتے، ہندوؤں کے غلبے کا خطرہ ہے، اس لیے الگ ہونا چاہتے ہیں۔ یہ بیس مذہبی ہے یا کیا ہے؟ ہم مسلمان ہیں، ایک الگ قوم ہیں، بحیثیت مسلمان ہندو اکثریت کے سائے میں نہیں رہ سکتے، ہماری تہذیب متاثر ہوتی ہے، ہمارا کلچر متاثر ہوتا ہے، تو یہ بیس کیا ہے، اس کو آپ مذہب کے سوا کیا قرار دیں گے؟ پاکستان کے تو قیام کی بیس ہی مذہب ہے کہ وہ ہندو ہیں ہم مسلمان ہیں اور اس بنیاد پر پاکستان کے قیام کا اور ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ ہوا۔

پھر اس کے بعد قائداعظم کی وہ تقاریر (ان کے بارے میں) آپ کیا کہیں گے؟ پاکستان بننے سے پہلے بھی قائداعظم مرحوم نے، لیاقت علی خان مرحوم نے، سردار نشتر نے اور باقی لیڈروں نے جو تقریریں کی ہیں تاریخ کے ریکارڈ پر ہیں کہ ہم پاکستان اسلامی تہذیب کے تحفظ کے لیے، مسلم تہذیب کے بچاؤ کے لیے، اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے، قرآن کریم کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے بنا رہے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ یہ جو تقریریں تحریک پاکستان کے دوران اور پاکستان سے پہلے تھیں آپ اسے کیا کہہ رہے ہیں؟

قائداعظم نے یہ تقریریں سیاسی ووٹ لینے کے لیے کی تھیں؟ میرا بڑا بنیادی سوال ہوتا ہے کہ اگر قائداعظم کے بارے میں آپ یہ تصور رکھتے ہیں کہ انہوں نے مذہب کا نام، قرآن کا نام، سنت کا نام، اور ریاست مدینہ کا نام سب سے پہلے قائداعظم نے استعمال کیا ہے، تو یہ ووٹ حاصل کرنے کے لیے تھا؟ اور اگر قائداعظم نے بھی ووٹ حاصل کرنے کے لیے مذہب کا نام استعمال کیا ہے تو آپ قائداعظم کے بارے میں کیا تاثر دے رہے ہیں کہ وہ کس کیٹیگری کے لیڈر تھے؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ قائداعظم کی توہین ہے، قائداعظم پر اتہام ہے، اور قائداعظم کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی فضا ہے۔

سوال: یہ جو آج کل پاکستان کے معاشی حالات ہیں اس کے تناظر میں ایک اہم سوال ہے کہ

قائداعظم پاکستان میں کس قسم کا معاشی نظام چاہتے تھے؟

جواب: دیکھیے! قائداعظم نے خود اپنی زندگی میں وفات سے ایک مہینہ پہلے اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کیا، (ان کی) تقریر اسٹیٹ بینک کے ریکارڈ میں بھی موجود ہے، قومی پریس کے ریکارڈ میں بھی موجود ہے، اور آج بھی چھپتی ہے میرے پاس اس کا متن موجود ہے۔ قائداعظم نے اسٹیٹ بینک کے افتتاح میں یہ کہا کہ میں پاکستان کے معاشی نظام کو مغرب کے اصولوں پر نہیں اسلام کے اصولوں پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور ساتھ یہ کہا کہ مغرب کے معاشی نظام نے دنیا کو لڑائیوں کے سوا کچھ نہیں دیا۔ اور قائداعظم نے یہ کہا کہ میں پاکستان میں اپنے ماہرینِ معیشت سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ مغرب کے اصولوں پر نہیں، اسلام کے اصولوں پر پاکستان میں معیشت کے نظام کو استوار کریں، اور میں آپ کی تحقیقات کے نتائج کا انتظار کرتا رہوں گا۔

یہ کیا ہے؟ یہ قیام پاکستان سے پہلے کی نہیں بعد کی بات ہے اور قائداعظم کی وفات سے ایک مہینہ پہلے کی بات ہے۔ اور بحیثیت گورنر جنرل آف پاکستان اسٹیٹ بینک کے افتتاح کی تقریب کے دوران کی بات ہے، اس کو آپ کہاں لے جائیں گے؟

تحریکِ پاکستان میں علماء کا کردار

https://zahidrashdi.org/3513

سوال: زاہد الراشدی صاحب! ہمیں یہ بتائیے کہ قیامِ پاکستان کے حوالے سے یہ جو ہمارا مذہبی طبقہ ہے خصوصاً علماء، ان کی کیا خدمات رہی ہیں؟

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پاکستان کے قیام میں علماء کا کردار دو مرحلوں میں ہے:

(۱) ایک مرحلہ تو یہ ہے کہ جب یہاں مسلم سلطنت کا خاتمہ ہوا اور انگریزوں نے قبضہ کیا، ایک سو سال تقریباً ایسٹ انڈیا کمپنی اور نوے سال تاجِ برطانیہ، اس انگریزوں کے قبضے کے خلاف آزادی کی جنگ کی قیادت علماء نے کی ہے۔ دوسرے طبقات بھی تھے، سب طبقات نے آزادی کی جنگ لڑی ہے علماء نے بھی اور دوسرے طبقات نے بھی۔ سراج الدولہؒ، ٹیپو سلطانؒ، شہدائے

بالاکوٹؒ، سردار احمد خان کھرل شہیدؒ پنجاب کے تھے، فقیر ایپیؒ، حاجی صاحب ترنگزئیؒ، حاجی شریعت اللہؒ، بیسیوں تحریکات ہیں جنہوں نے مسلح بھی اور پھر سیاسی بھی، ایک دور مسلح تحریکات کا تھا، بیسیوں تحریکات ہیں جنہوں نے انگریزی اقتدار کے خاتمے کے لیے جنگ لڑی۔ اور اس کے بعد سیاسی جدوجہد، آپ دونوں تحریکوں میں علماء کو صفِ اول میں دیکھیں گے۔

(۲) سیاسی جدوجہد کا آغاز تحریکِ خلافت سے ہوا تھا۔ مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا ظفر احمدؒ، حکیم اجمل خانؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ اور پھر تحریک پاکستان میں جب آپ آئیں گے تو آپ کو قائد اعظمؒ کے پیچھے مولانا اشرف علی تھانویؒ کھڑے نظر آئیں گے اور ان کے ساتھ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا عبد الحامد بدایونیؒ، مولانا غلام مرشدؒ، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹیؒ دکھائی دیں گے، جو صفِ اول کی قیادت میں شریک تھے اور انہوں نے پاکستان کے قیام کے لیے اس درجے کی جدوجہد کی، اس وقت میں دو تاریخی حقائق کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا۔

- سلہٹ بنگال کی تقسیم کا جب فیصلہ ہوا اور مشرقی بنگال کو پاکستان میں شامل کرنے کا فیصلہ ہوا تو سلہٹ آسام کا حصہ تھا اور بہت بڑی آبادی ہے۔ تو سلہٹ میں ریفرنڈم کروایا گیا کہ انہوں نے آسام کے ساتھ رہنا ہے یا پاکستان میں شامل ہونا ہے؟ سلہٹ کے اس ریفرنڈم میں عوام کو پاکستان کے حق میں ہموار کرنے میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور ان کی ٹیم کا بنیادی کردار ہے جس کو تاریخ آج بھی تسلیم کرتی ہے۔
- پھر یہ ہمارا کے پی کے (خیبر پختونخوا) جس کو صوبہ سرحد کہتے تھے، اس وقت یہاں ڈاکٹر خان صاحب کی گورنمنٹ تھی۔ پاکستان میں شامل ہونے کے لیے وہاں بھی ریفرنڈم کا تقاضا ہوا کہ عوام کی رائے پوچھی جائے وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا کسی دوسری طرف جانا چاہتے ہیں؟ وہاں پر باقاعدہ ریفرنڈم ہوا اور تاریخ اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ صوبہ سرحد کا ریفرنڈم جیتنے میں بنیادی کردار مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور پیر صاحب آف مانکی شریفؒ کا تھا، یہ دو شخصیتیں ہیں جنہوں نے سرحد کے عوام کو پاکستان کے حق میں تیار کیا

اور یہ پاکستان میں شامل ہوئے۔

سوال: یہ بتائیے کہ یہ کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کے نام سے یہ جو جماعت بنی تھی، اس کے بننے کا کیا مقصد تھا؟

جواب: پاکستان کے قیام کے مسئلہ پر تحریکِ پاکستان کی حمایت کے لیے "جمعیت علماء اسلام" کے نام سے یہ جماعت کلکتہ میں بنی، یہ اس لیے بنی تاکہ علماء کو تحریک پاکستان کے لیے منظم کیا جائے اور جمعیت علماء اسلام نے بطور پارٹی کے مسلم لیگ کے ساتھ حصہ لیا اور سارے کام میں شریک ہوئے۔

تحریکِ آزادی میں بھی اور تحریکِ پاکستان میں بھی علماء کا بنیادی کردار ہے اور تاریخی حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح مرحوم نے کراچی میں پاکستان کا پرچم لہرانے کے لیے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے کہا، اور ڈھاکہ میں پرچم لہرانے کے لیے مولانا ظفر علی عثمانیؒ سے کہا جو ان کی خدمات کا اعتراف تھا۔ تو جس طرح دوسرے طبقات تھے، کسی طبقے کی قربانیوں کا انکار نہیں ہے، کسی جماعت کی خدمات کا انکار نہیں ہے، لیکن دوسری جماعتوں اور طبقات کے شانہ بشانہ علماء بھی تحریکِ آزادی میں اور تحریکِ پاکستان میں قائدانہ کردار کا حصہ رہے ہیں اور یہ تاریخی حقیقت ہے۔